البیان الحق لحافظ عبد الحق
تحریک آزادی میں
اکابر علمائے دیوبند کا کردار
اور بریلویت کا مکروہ چہرہ
حافظ عبد الحق خان صاحب قدس سرہ
www.ahlehaq.com
شائع کردہ مجلس شوری اہلحق

فہرست

تمت بالخیر

4

البیان الحق لحافظ عبد الحق

(سابق مفصل بحث کے بعد ضرورت تو نہیں کہ ہم مزید کچھ عرض کریں لیکن مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے بعض نام نہاد محقق چونکہ تاریخ اور تاریخی حقائق کو بالکل مسخ کرنے کے درپے ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزیزم الحافظ القاری المولوی محمد عبد الحق خان بشیر سلمہ اللہ تعالیٰ کا علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی دینی ملی اور سیاسی خدمات کے سلسلہ میں ایک مفصل تاریخی اور محقق مضمون بھی عرض کر دیں، جو درج ذیل ہے۔ صفدر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: اما بعد

یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ہر مکتب فکر برصغیر (پاک و ہند) کی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا آغاز حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے کرتا ہے اور ہر آزادی پسند طبقہ تحریک خلافت بلکہ تحریک قیام پاکستان تک پہنچتے آپ کو اسی تحریک کے ساتھ منسلک رکھنا سیاسی طور پر ضروری خیال کرتا ہے۔ مسلم لیگ کا مکتبہ فکر ہو یا کانگریس کا۔ ہر ایک اپنی جدوجہد کو تحریک بالاکوٹ کی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ تاریخ کا ایک مبتدی طالب علم بھی اس حقیقت سے آشنا ہے کہ معرکۂ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء میں پیش آیا۔ جب کہ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ۱۸۸۵ء کو عمل میں آیا۔ اور مسلم لیگ ۱۹۰۶ء کو معرض وجود میں آئی۔ اور

ان دونوں جماعتوں کا بنیادی اختلاف (نظریۂ قومیت) ۱۹۳۰ء کے بعد ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کے خطبۂ الٰہ آباد کی تحریک سے منظر عام پر آیا۔ جسے عملی شکل ۱۹۴۰ء میں لاہور کی قرارداد پاکستان کے عنوان سے دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود ہر ایک اپنے سیاسی رشتہ کو معرکہ بالاکوٹ کی تحریک سے منسلک رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے آزادی کا جاندار اور شاندار آغاز ہوتا ہے۔

چنانچہ مسلم لیگی مکتبۂ فکر کے نامور مؤرخ جناب عشرت رحمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ

حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس فتنہ کے خطرہ سے آگاہ ہو کر اپنی منظم و باعمل اصلاحی تحریک کا آغاز کیا۔ ان کے قبضہ میں مال و دولت نہ تھی۔ نہ دنیاوی حکومت پہ کچھ اختیار، مگر دین کی دولت اور علم و فضل کی ثروت سے مالا مال تھے شجاعت اور ہمت میں بے نظیر اور اولوالعزمی میں لاثانی تھے۔ بے غرض مجاہدین کی ایک جانباز جماعت تھی جس نے شاہ صاحبؒ کی قیادت میں سب سے پہلے غیر مسلم طاقت کے خلاف جدوجہد کا علم بلند کیا... اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے سرفروش مجاہدین کے ساتھ علم کی ہی نہیں عمل کی تلوار بھی اٹھائی۔ سب سے پہلے پنجاب میں سکھوں کے شر و فساد کو دبانے کے لیے بر سر میدان صف آرا ہوئے لیکن سازشوں اور غداریوں نے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ ملت فروش دشمنانِ وطن نے قوم کی پشت پہ خنجر چلائے اور بالاکوٹ کے مقام پہ حضرت شاہ سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے رفقائے ملت کے ساتھ حیرت انگیز جرأت و عزم کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ تحریک رُک گئی، مگر ختم نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ کوئی وقتی جوش یا کسی تقریر کا عارضی اثر نہ تھا۔ ایک منظم و باعمل خفیہ انقلاب تھا۔ جس کی تہہ میں سیاست ملّی کی حقیقی روح کارفرما تھی۔

(سرسیّد سے قائد اعظم تک ص ۔ از جناب عشرت رحمانی)

مسلم لیگی مکتبۂ فکر کے ممتاز راہنما جناب چوہدری خلیق الزمان صاحب مرحوم فرماتے ہیں۔

ایک زمانہ میں بالکل غیر مکمل اقتدار حاصل کر کے سیّد احمد شہیدؒ نے مسلم ہی رقبہ میں حکومت الٰہیہ کی تھوڑی بہت بنیاد ڈالنا چاہی، مگر جس طرح اس کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شکست

ہوئی وہ ایک تاریخی سانحہ ہے۔

(مودودیت ایک عذاب ص۶۵ از چوہدری خلیق الزمان)

نامور شارح اقبالؒ جناب اعجاز الحق قدوسی فرماتے ہیں کہ

حضرت شاہ عبد العزیز رحؒ کے مریدوں میں جس نے اس برصغیر کو دار الاسلام بنانا چاہا وہ حضرت سید احمد شہیدؒ ہیں۔ وہ اپنے پیر کے فتویٰ کے مطابق ہندوستان کو اسلامی حکومت کے بعد دار الحرب سمجھتے تھے، حق و باطل کی یہ جنگ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شروع ہوئی۔ اس جہاد سے ان کی تمنا یہ تھی کہ خدا کا کلمہ سربلند ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا احیاء ہو، اور یہ ملک صحیح معنی میں دار السلام بن جائے۔ اسی تمنا میں انہوں نے سرحد کو مرکز جہاد بنا کر سکھوں اور انگریزوں سے جنگ کی، اگرچہ حضرت سید احمد شہیدؒ ۲۴ ذیقعدہ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو بالاکوٹ میں راہ حق میں شہید ہو گئے۔ بظاہر یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کی ناکامی تھی۔ (مگر بعض ناکامیاں کامیابی کا زینہ ہوتی ہیں۔ بشیر) لیکن ان کا اور ان کے رفقاء کا خون پروان چڑھتا رہا، یہاں تک کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو حضرت قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں پاکستان کی صورت میں وہ خواب پورا ہوا۔ جو ایک سو سولہ سال قبل سید احمد شہیدؒ نے دیکھا تھا۔

(اقبال اور علمائے پاک و ہند ص۳۴ از اعجاز الحق قدوسی)

ان تینوں مذکورہ حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم لیگی مکتبہ فکر کے نزدیک مجاہدین بالاکوٹ نہ صرف یہ کہ شہدائے فی سبیل اللہ تھے بلکہ تحریک پاکستان کی بنیاد انہی شہداء کے مقدس خون پہ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے حضرت سید احمد شہیدؒ کی عملی جدوجہد پہ تبصرہ کرتے ہوئے مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں کہ

پشاور ۱۸۳۰ء کے آخر میں فتح ہوا۔ اور شرع کے مطابق مقدمات فیصل کرنے کے لیے مولوی سید مظہر علی صاحب عظیم آبادی پشاور شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ انہوں نے حسب منشائے سید صاحب احکام شریعت نافذ کیے۔ شہر میں بھنگ چرس اور افیون وغیرہ کی دوکانیں بند ہو گئیں۔ شراب کی بھٹیاں اور شراب فروش ناپید ہو گئے۔ کسبیاں اور

فاحشہ عورتیں جو اس شہر میں ہزار ہا تھیں اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئیں یا شہر چھوڑ کر فرار ہو گئیں۔ اس کے علاوہ سید صاحبؒ نے بیرونجات میں تحصیل عشر اور انتظام ملک کے لیے جا بجا تحصیل دار مقرر کر دیے اور ان قبائل کی معاشرتی اصلاح کے لیے بھی احکام جاری کیے الخ۔ (موج کوثر ص ۲۹ از شیخ محمد اکرام)

مجاہدین بالاکوٹ کے اس جہاد حریت کا اعتراف حقیقت صرف مسلمان مؤرخین کو ہی نہیں بلکہ ہندو مؤرخین بھی اعتراف حقیقت پر مجبور و بے بس ہیں۔ چنانچہ ممتاز ہندو مؤرخ ٹیکا رام سخن لکھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی قوم پرستی اور حب الوطنی کی تاریخ کا آغاز ۱۸۲۴ء سے بھی پہلے سے ہوتا ہے (۱۸۲۱ء میں سید صاحبؒ مجاہدین کی مختصر سی جماعت کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے اور ۱۸۲۴ء میں واپسی ہوئی اور آتے ہی سکھوں سے جہاد شروع کر دیا۔ بشیر) ان دنوں ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے قریب ایک آزاد علاقہ میں کچھ ہندوستانی مسلمان رہتے تھے۔ لوگ آج بھی انہیں مجاہدین کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ مجاہدین وہ تھے جو غلامی کے جوئے کو اپنے لیے ناقابل برداشت سمجھ کر ہندوستان چھوڑ کر وہاں جا بسے تھے (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے جب ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تو اس کی عملی جدوجہد کے لیے اپنی سرپرستی اور سیدؒ صاحب کی قیادت میں لشکر اسلامی تیار کرنا شروع کیا اور اس لشکر اسلامی کی ترتیب میں جس مجاہد نے سب سے پہلے سیدؒ صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی وہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے، حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے۔ بشیر) یہ مجاہدین ہندوستان سے دور تھے۔ لیکن حب الوطنی کے جذبات سے معمور، روز و شب آزادئ ہند کے خواہاں جب موقع پاتے برطانوی حکومت کے خلاف کچھ نہ کچھ کر بیٹھتے۔ جو مسلمان وہاں جا نکلتے آزادی کا درس دیتے۔

(تحریک آزادی ص۲۲ از ٹیکا رام سخن)

حتیٰ کہ ان دونوں (مسلم لیگ و کانگریس) مکاتب فکر کے درمیان معلق رہنے والا ایک تیسرا

مکتبۂ فکر غیر مقلدین حضرات جن میں بیشتر حضرات کی مجموعی ہمدردیاں مسلم لیگ و کانگریس کی بجائے اقتدار برطانیہ کے ساتھ وابستہ تھیں ابھی ہے۔ جو اپنا سیاسی اور تاریخی رشتہ تحریک بالاکوٹ سے جوڑنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہے۔ جیسا کہ محترم غیر مقلد عالم مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے تحریک بالاکوٹ کے بارے میں "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور یہی حال مودودی صاحب اور ان کے متبعین کا ہے۔ کیونکہ تمام مکاتب فکر اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تحریک بالاکوٹ کی بنیادوں سے ہٹ کر کوئی محل آزادی تعمیر کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے ہر مکتبۂ فکر کا دعوٰی ہے کہ شہدائے بالاکوٹ ہمارے ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ کس کے ہیں؟ کیونکہ اس کی اصلیت و واقعیت زمانہ کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر مکتبۂ فکر اس تحریک (بالاکوٹ) سے منسلک رہنا نہ صرف ضروری بلکہ اپنے لیے باعث سعادت بھی خیال کرتا ہے۔ بحمداللہ تعالیٰ علماء دیوبند کثرھم اللہ تعالیٰ اس مجاہد گروہ کے پیروکار اور اسی کے ہم مسلک ہیں۔ جیسا کہ کسی بھی موافق اور مخالف پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

تحریک بالاکوٹ سے وابستہ حضرات، ان کے پیروکاروں اور علماء دیوبند کے بارے میں ڈاکٹر علامہ اقبال وغیرہ کے تاثرات

۱۔ مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیاء کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

(اقبال کا ذہنی ارتقاء صفحہ ۹۶ از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)

اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت کرے گا۔ اور اگر ہم ناحق پہ ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے..... ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت عالمگیر غازیؒ اور شاہ اسمٰعیل دہلویؒ نے یہی کام کیا ہے۔ اور ہمارا مقصد صرف اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ (مقالاتِ اقبال صفحہ ۱۶۸)

۲۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی رد اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا: اور یہ کام انہوں نے نہایت خوبی سے کیا۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء صفحہ ۷۹)

٣ اگر مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد ان کے مرتبہ کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گذارتے۔ (تاریخ اہل حدیث ص۴۲۴)

۴ میں مثنوی مولانا روم کے سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مقلد ہوں۔

(مقالات اقبال ص۱۸۰)

۵ معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر لکھا ہے۔ کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹا سے کون سی تاریخ کو لکھا گیا تھا۔

(مکتوب بنام مولانا سید سلیمان ندوی از اقبال نامہ حصہ اول ص۹۵)

۶ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۲۰۵)

۷ اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ (بحوالہ بیس بڑے مسلمان ص۲۷۵ از مولانا عبد الرشید ارشد)

مشہور حدیث لا تسبوا الدهر فان الدهر هو الله [illegible] TIME [illegible] کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید محمد انور شاہ صاحبؒ (کشمیری) [illegible] جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں میری خط و کتابت ہوئی الخ۔

(صحیفہ اقبال نمبر حصہ اول ص[illegible])

۸ علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندویؒ کے کون ہے؟ (اقبال نامہ حصہ اول ص۱۹۶)

مولانا شبلیؒ کے بعد آپ (مولانا ندویؒ) استاذ الکل ہیں۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص[illegible])

۹ میرے دل میں مولانا ابو الکلام آزادؒ کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی۔

(اقبال نامہ حصہ اول ص۱۱۱)

الحمد للہ کہ اب یہ قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزادؒ نے بھی دو تین مضمون چھپوائے ہیں .... میں بھی تفسیر مضمون ان شاء اللہ جلد لکھوں گا۔

(اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۱۹۷)

(بعض ناعاقبت اندیش حلقوں کی طرف سے مولانا آزادؒ پہ یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ قادیانی تحریک سے بہت متأثر تھے۔ علامہ اقبالؒ کی یہ تحریر ان کے رد میں ناقابل تردید شہادت ہے۔ بشیر)

۱۰ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

(بحوالہ ہفت روزہ چٹان لاہور سالانہ ۱۹۶۳ء صے ۱۷)

" ارباب دیوبند ہوں یا علماء کی کوئی اور جماعت۔ میرے دل میں ان کے جذبۂ آزادی، ان کی انگریز دشمنی اور دین کے لیے غیرت وحمیت کی بڑی قدر ہے۔ (اقبال کے حضور، صے ۲۹)

یہی وجہ ہے کہ جب علامہ اقبال مرحوم سے پوچھا گیا کہ دیوبندی کیا کوئی نیا مذہب ہے؟ فرمایا نہیں۔ ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے۔

(مسلک علماء دیوبند صے ۵ از مولانا قاری محمد طیبؒ)

رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

علماء حق کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کے ان واضح تأثرات کی وجہ سے شارحین اقبالؒ نے بھی ان علماء حق کے بارے میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ بھی قابلِ قدر ہیں۔ چنانچہ نامور شارح اقبالؒ جناب اعجاز الحق قدوسی فرماتے ہیں۔

۱۔ وہ علمائے حق جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مردانِ حق آگاہ کو پیدا کیا، جن کا مطمح نظر ایک مکمل اسلامی نظامِ زندگی تھا۔ ان میں سے ایک مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ بھی تھے۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند صے ۱۹۲)

۲ لاریب حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دار العلوم (دیوبند) کی مسند افتاء کی وہ زینت تھے کہ ان کی مثال مشکل سے مل سکے گی۔ (ایضاً صے ۲۱۹)

۳ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان مشہور دہاتہ علماء میں تھے کہ جن کو تمام دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء خواہ وہ کانگریسی ہوں یا مسلم لیگی سب کے سب ان کی شخصیت اور علمی مرتبت کو قابلِ احترام سمجھتے تھے۔

(ایضاً صے ۱۶)

۴ یہ آفتابِ علم (حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ) جس کی روشنی نے برصغیر کو اپنے

دینی علوم کی روشنی سے منور و تاباں بنایا، وہ بحرِ علم جس نے ہزاروں تشنگانِ علم کو سیراب و فیض یاب کیا، وہ گوہرِ شب چراغ جس نے جہل کی تاریکیوں کو علم کی روشنی سے درخشاں کیا، یہ جبلِ علم یہ کوہِ فضل، یہ منبع علوم یہ سرچشمہ رشد و ہدایت الخ (ایضاً ص ۲۴۶)

چودھویں صدی ہجری میں صرف ایک شاہ صاحبؒ کی شخصیت ایسی ہے جس کے حفظ پہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا جس کے تبحر علمی پہ حافظ ابن تیمیہؒ کا اور حافظ ابن قیمؒ کا جس کے منطق اور فلسفہ پہ ملا محب اللہ بہاری اور صدر الدین شیرازی کا جس کے فارسی سخن وری پہ خاقانی و انوری کا گمان ہوتا تھا، جس کو دیکھ کر علمائے سلف کی تصویر سامنے آتی تھی۔

(ایضاً ص ۲۴۹)

۵ علومِ شریعت کے مہرِ منیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کے فرزند جلیل القدر تھے۔ (ایضاً ص ۲۸۶)

اگرچہ مسلم لیگ میں بہت سے علمائے دین شریک ہو چکے تھے، لیکن مسلم لیگی علماء میں جو شخصیت سب سے زیادہ بلند و بالا نظر آتی ہے وہ مشہور مفکر عالمِ دین مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ (ایضاً ص ۵۵)

۶ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ان جلیل القدر علماء میں ہیں کہ جن کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلوص میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً ص ۱۴)

وہ (مولانا مدنیؒ) ہندوستان کی آزادی کے وہ علمبردار تھے جنہوں نے فرنگی استبداد کے ہاتھوں قید و بند کی سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ انہیں صرف ایک دھن تھی کہ فرنگی اقتدار ختم ہو اور ہندوستان کو مکمل آزادی ملے۔ (ایضاً ص ۲۸۷)

۷ برصغیر پاک و ہند میں مولانا ابوالکلامؒ (آزاد) کی علمی عظمت سے خواہ ان کا موافق ہو یا مخالف کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ... مولانا نے ایک جید عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی راہنمائی بھی کی اور سیاست کے شہسوار ہونے کی وجہ سے انہوں نے قوم کی سیاسی راہنمائی بھی کی۔ وہ سیاست کے میدان میں پہاڑوں کی طرح جمے رہے انہوں نے کانگریس تحریک اور ترکِ موالات کے زمانہ میں قید و بند فرنگ کی سختیاں جھیلیں۔

وہ کانگریس کی صدارت اور پھر وزارت تک پہنچے۔ لیکن متاعِ دنیا میں ان کے پاس مال و دولت تھا نہ سرمایہ۔ (ایضاً ص ۳۹)

۸ علم و عمل کے آفتاب شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ ۲ رمضان ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں جمعہ کے روز قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ (صوبہ پنجاب) پاکستان میں پیدا ہوئے۔ جو بعد میں پنجاب کے افقِ علمی پر مہرِ درخشاں بن کر چمکے۔ (ایضاً ص ۴۰)

تاریخ برصغیر کے نامور اسکالر جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں۔

۱ دیوبند کا مدرسہ جس کی مثال ہندوستان میں اسلامی حکومت کے عروج میں مشکل سے ملیگی۔ (موجِ کوثر ص ۲۰۶)

۲ لیکن جس دور میں مولانا سید احمدؒ (شہید) شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسمؒ دیوبندی، شبلی نعمانیؒ مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اقبال سرگرمِ کار رہے ہوں اُسے مذہبی خشک سالی کا زمانہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ (ایضاً ص ۶)

مشہور مورخ اور علی گڑھ یونیورسٹی کے استاد جناب خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں۔

۱ مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی، اُن (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) ہی کے خلفاء و مریدین کی پُرخلوص جد و جہد کا نتیجہ تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حاجی محمد عابدؒ اُن کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مولانا محمد قاسمؒ کے جانشین تھے۔ ان ہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۳)

۲۔ انیسویں[19] صدی کی تیسری اہم تحریک آزادیٔ وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی (امداد اللہ مہاجر مکیؒ) صاحب اور ان سے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) کے زمانے میں تھانہ بھون کا انتظام حاجیؒ صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادیٔ وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحبؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ وہ اور ان کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب کا سامنا کیا، تاریخ ہند کا کوئی دیانت دار مورخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔ (ایضاً ص۲۳۴)

سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے ممتاز روحانی داعی حضرت مولانا عاشق اخمد انبیٹھوی فرماتے ہیں۔

۱ منجملہ آپ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کے خلفاء کے حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مسلم علماء اور صلحاء گزرے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بھی آج کل مقدس بزرگ اور عالم باعمل مانے جاتے ہیں۔ جیسے مولانا حضرت محمود حسن صاحب دیوبندی صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی صدر مدرس مدرسہ عالیہ سہارن پور، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری الخ

(انوار العاشقین ص۸۷ از مولانا عاشق احمد انبیٹھوی)

۲ حضرت مکرمی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علوم ظاہری اور باطنی کے جامع، اس وقت عمدہ خلفاء سے حاجی صاحب کے ہیں۔ وعظ مولانا اشرف علی صاحب کے عالم و جاہل دونوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ روایات صحیح اور مضامین عالیہ نہایت آسان عبارت میں بیان فرماتے ہیں۔ بڑے قادر الکلام ہیں۔ زبردست مصنف ہیں۔ صدہا کتب میں تصنیف کر چکے ہیں۔ (ایضاً ص۸۷)

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم اور ان چند دیگر مذکورہ حضرات کے مبنی بر حقیقت تأثرات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہیں اس تحریک (بالاکوٹ) اور اس سے (بالواسطہ یا بلا واسطہ) منسلک شخصیات سے کس قدر عقیدت اور قلبی لگاؤ تھا۔

لیکن بدقسمتی سے برصغیر (پاک و ہند) میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جس کی نہ تو کوئی سیاسی تاریخ ہے اور نہ اصلاحی کارنامہ۔ بلکہ اس طبقہ کی ساری زندگی حکمرانوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریزی کر کے انعامات وصول کرتے، جاگیریں حاصل کرتے، بدعات و رسومات (قل، تیجہ، دسواں،

چالیسواں، عرس، گیارہویں وغیرہ) کے نام پر چندے اکٹھے کرتے اور قوم کی جیبیں کاٹتے ہوئے بسر ہوتی ہے۔ اس طبقہ نے (جسے بجا طور پر برصغیر کا سیاسی یتیم کہا جا سکتا ہے) اپنی ان مکروہ اور مذموم حرکات پر پردہ ڈالنے کے لیے مجاہدین آزادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر لیا۔ تاکہ ان مجاہدین کی بے لوث تاریخ کو بھی داغدار کر دیا جاسکے۔ بقول شخصے

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

پھر بانس بریلی اور اس کی ذیلی شاخوں (پیلی بھیت، بدایوں، کچھوچھہ شریف، لاہور وغیرہ) کے تباہ کن توپ خانوں سے اس شدت کے ساتھ تکفیر کے گولے برسائے گئے کہ برصغیر کا کوئی مذہبی راہنما۔ تحریک آزادی کا کوئی سیاسی پیشوا، ملت اسلامیہ کا کوئی روحانی مقتدا، اور وطن عزیز کا کوئی جانثار مجاہد ان تکفیری گولوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے لے کر علامہ اقبال اور قائداعظم تک وہ کون سا سیاسی و مذہبی راہنما ہے جو ان کے کفر کے فتویٰ سے بچ سکا ہو؟ خواہ اس کا تعلق مسلم لیگ سے ہو یا کانگریس سے، عرب سے ہو یا عجم سے۔ حتیٰ کہ اسلام کے بلادِ مقدسہ اور امتِ مسلمہ کے مراکزِ اسلامیہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے آئمہ کرام بھی ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور یہ شکوہ اس طبقہ سے صرف ارباب دیوبند ہی کو نہیں بلکہ برصغیر کا ہر انصاف پسند راہنما بریلی کے اس تکفیری فتویٰ پر شکوہ کناں نظر آتا ہے، اس کی ایک ہلکی سی جھلک قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں

۱ کوئی ٹرکی لے گیا کوئی ایراں لے گیا — کوئی دامن لے گیا کوئی گریباں لے گیا
رہ گیا تھا بس فقط باقی اک نام اسلام کا — وہ بھی ہم سے چھین کر حامد رضا خاں لے گیا

۲ بریلی کے فتووں کا سستا ہے بھاؤ — کر سکتے ہیں کوڑی کے اب تین تین
خدا نے یہ کہہ کر انہیں ڈھیل دی — وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ

۲۔ ممتاز مسلم لیگی راہنما جناب چوہدری خلیق الزماں خان مرحوم فرماتے ہیں کہ۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی ترکی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور ترکوں کی امداد کے بھی خلاف تھے یہی نہیں بلکہ انہوں نے کئی فتوے مولانا عبدالباریؒ پر کفر کے بھی صادر فرمائے تھے۔ ظاہر ہے

کہ وہ کسی ایسے استفتار پر جس میں خلافت کو شریعت اسلامی کا ایک اہم ادارہ تسلیم کیا جائے دستخط نہ کرتے۔
(شاہراہ پاکستان ص۲۳۱ و ص۲۳۲ از چوہدری خلیق الزمان)

تحریک خلافت کے بنیادی محرکات پر بحث کرتے ہوئے چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ

مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کی جمیعت اسلامی جوش میں آئی اور انہوں نے تقریباً پانچ سو۵۰۰ علمار ہند کے فتوے اس بارے میں حاصل کیے کہ خلافت کا ادارہ عین اسلامی شرعی ادارہ ہے جس کے تحفظ کے لیے مسلمانانِ ہند ہر قربانی کے لیے تیار رہیں۔

(مودودیت ایک عذاب ص۲۷ از چوہدری صاحب)

اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے چند علمار کرام کے نام تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

چونکہ اس وقت تک مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمدؒ (مدنی) مولانا از یر گل (یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ نام مولانا عزیر گلؒ صاحب دامت فیوضہم کا ہے۔ جو ابھی تک صوبہ سرحد میں سخاکوٹ کے مقام پر بقید حیات ہیں۔ بشیر) اور مولانا ثروت حسن (یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ مولانا نصرت حسین شہیدؒ کا نام ہے۔ جو اسارت مالٹا کے دوران ہی انتقال فرما گئے۔ اور مالٹا میں ہی مدفون ہیں۔ بشیر) مالٹا میں نظر بند تھے کیونکہ وہ خلافت کے تحفظ کے سلسلہ میں حجاز گئے ہوئے تھے۔ جہاں سے انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا تھا۔ اس لیے ان کے دستخط نہ ہو سکے۔ اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھی خلافت کے مسئلہ پر انگریزوں سے مخالفت کی بدولت ہندوستان کو خیر آباد کہہ کر افغانستان جا چکے تھے۔ اس لیے ان کے دستخط بھی نہ ہو سکے

(ایضاً ص۲۸)

اور چوہدری صاحب اس حقیقت کا اعتراف بھی فرماتے ہیں کہ

جمیعتہ علمار ہند کے صفِ اوّل کے لوگ تمام کے تمام خلافت کی تحریک میں برابر پیش پیش رہے۔ اور انہوں نے جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ (ایضاً ص۳۰)

لیکن اس کے برعکس خان صاحب بریلوی اور ان کے متبعین نے نہ صرف یہ کہ تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا بلکہ اس کی مخالفت میں اپنی مشینری کا پورا زور صرف کر دیا۔ جیسا کہ میاں عبدالرشید صاحب

فرماتے ہیں کہ

جن لوگوں نے میدان میں آکر خلافت۔ ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور اُن کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا وہ حضرت احمد رضا خان اور ان کے احباب، رفقاء اور عقیدتمندان ہی تھے۔ جز تیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

(ماہنامہ ضیائے حرم کا اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر جنوری ۱۹۸۳ء صـ ۸۹)

جمعیۃ علماء ہند کی انگریز دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان صاحب فرماتے ہیں کہ

چونکہ جمعیۃ العلماء انگریزی راج کی سخت دشمن تھی۔ اس لیے اس بیان میں (مودودی) نے ان کو بھی جنس کاسد کہہ ڈالا (مودودیت ایک عذاب صـ ۴۸)

مسلم لیگ کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند کے اختلافات کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

باوجود ان اختلافات کے (جو جمعیۃ العلماء ہند اور مسلم لیگ کے درمیان تھے۔ بشیر) جمعیۃ العلماء ہند نے دین کے نام سے کبھی مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی (ایضاً صـ ۴)

جب کہ بریلوی حضرات کی طرف سے نہ صرف مسلم لیگی راہنماؤں بلکہ مسلم لیگ کے خلاف بھی من حیث الجماعت بکثرت فتوے جاری کیے گئے۔ چند فتوے ملاحظہ فرمائیے۔

۱ لیگ میں مرتدین منکرین ضروریاتِ دین شامل ہیں۔ اس لیے اہلسنت والجماعت کا ان سے اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا۔

۲ لیگ کے لیڈروں کو راہنما سمجھنا یا ان پر اعتبار کرنا منافقین و مرتدین کو راہنما بنانا اور ان پر اعتبار کرنا ہے۔

۳ لیگ کی حمایت کرنا۔ اور اس میں چندے دینا اس کا ممبر بننا اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے

۴ وہ لوگ جو ساڑھے تیرہ سو برس والے اصلی سچے مذہب اہلسنت پر قائم ہیں وہ اس مسلم لیگ کی شرکت و ممبری کو کیونکہ روا رکھ سکتے ہیں۔

۵ اگر رافضی کی تعریف علال اور جناح کو ان کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس سے کلی مقاطعہ

کریں، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔

یہ چند فتوے صرف بریلوی حضرات کے جید اور ممتاز راہنما مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب کے صاحبزادے اور مولانا محمد احمد صاحب اشرفی موجودہ ناظم حزب الاحناف لاہور کے والد محترم مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب کے ایک طویل فتوے سے نقل کیے گئے ہیں جو الجوابات السنیہ کے آخر میں دیا گیا ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔

۱ الجوابات السنیہ علی زہاء السؤالات اللیگیہ

جسے سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی نے تحریر کیا اور سید آل مصطفٰے قادری برکاتی بریلوی حضرات کے شیر بیشہ سنت مولوی حشمت علی قادری اور ابوالبرکات سید عبدالقادر قادری کے فتوے بھی اس میں شامل ہیں۔ جس کے ٹائیٹل پر یہ عبارت واضح طور پر موجود ہے کہ مسلم لیگ کی کفر نوازیوں اور کانگریس کی ستم شعاریوں سے بچانے والا۔

۲ مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری۔

جسے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کو بریلوی حضرات کے جید عالم مولانا اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی، رہبری نے تحریر کیا، اور مولوی حشمت علی قادری۔ مولوی عبدالقادر قادری۔ مولوی احمد میاں قادری۔ مولوی شاہ محمد قادری لکھنوی۔ حکیم آل مصطفٰے قادری مولوی غلام جیلانی قادری۔ مولوی ضیاء الحق پیلی بھیتی وغیرہم جید علماء بریلویہ نے اسکی تائید و تصدیق کی ہے۔ اس کے ٹائیٹل پر یہ عبارت رسالہ کی حقیقت کو واضح کر رہی ہے یہ مبارک فتوٰی جس میں مسلمانوں کے مصائب حاضرہ کے سچے صحیح اور بعونہٖ تعالٰی یقیناً نافع و کامیاب علاج کا نفیس بیان اور بد مذہبوں۔ بیدینوں کی معجون مرکب لیگ کی بطالتوں اور ہلاکتوں کا شرعی نقطہ نظر سے واضح تبیان ہے۔

۳ احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ۔

جسے بریلوی حضرات کے شیر بیشہ اہل سنت مولوی حشمت علی قادری نے تحریر کیا اور

مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہری اور حکیم سید شاہ آل مصطفٰے قادری مارہری نے اس کی تائید و تصدیق کی۔ اس کے ٹائیٹل کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

یہ مختصر رسالہ ... مسلم لیگ کے مقاصد اساسیہ اور اس کی کاروائیوں میں جو شرعی خرابیاں ہیں ان کا روشن بیان سنانے والا۔ نیز حقیقی کامیابی و ترقی کا راستہ دکھلانے والا کہ مسلم لیگ کو مذہب اہل سنت۔ واقتدائے احکام شریعت کی طرف بلانے والا۔ اس رسالہ کا قابل ذکر فتویٰ ملاحظہ فرمایئے۔

اگر لیگی لیڈران سچے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینا نہیں چاہتے، تو وہ ظفر علی خان۔ نواب اسماعیل خان۔ سر سکندر حیات خان۔ مسٹر فضل الحق۔ مولوی عبدالحامد۔ مولوی قطب الدین عبدالولی صاحبان وغیرہم ذمہ دار لیگیوں سے ہمیں اس کی تحریر سے دیں کہ لیگی لیڈران مسٹر جناح کو ایک کافر بیرسٹر سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ (ص ۲۹)

۴ تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنہ:۔

جسے مولوی ابوالطاہر محمد طیب قادری داناپوری فاضل حزب الاحناف لاہور نے مرتب کیا اور جس پر مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہری۔ حکیم آل مصطفٰے قادری۔ مفتی ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولوی محمد حشمت علی خاں قادری اور ارکین جماعت اہل سنت پیلی بھیت کی تائید و تصدیق موجود ہے۔ چار سو اسی ۴۸۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب کفری فتوؤں کا ایک ذخیرہ ہے۔ چند فتوے آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۱ مرتد تھانوی نے یہ کفر بکا ص ۲ مرتد نانوتوی نے اپنی ملعون کتاب الخ ص ۱۵

۳ مرتد ابوالکلام آزاد نے اپنی ملعون کتاب ترجمان القرآن الخ ص ۸۹

۴ مرتد گنگوہی نے اپنے امام بدلگام کے کفر پر پردہ ڈالنے کے لیے الخ (ص ۱۰۴)

۵ یہ چاروں مقاصد لیگیہ مشتمل بر محرمات وخباثات وشناعات بلکہ منجر باشد ضلالات وکفریات امیں (ص ۱۱۴)

۶ لیگ کے اکثر لیڈران عام طور پر علی الاعلان کفریات بکتے پھرتے ہیں اور ضروریات دینیہ کا انکار کرنے میں انہیں کوئی باک نہیں۔ (ص ۱۱۸)

۷ بحکم شریعت مسٹر جناح کے کافر مرتد ہونے کے لیے اس کا اثنا عشری رافضی ہونا ہی بس ہے (ص ۱۱۹)

۸۔ بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ (صـ ۱۲۲)

۹۔ ایک دوسرے مرتد بلکہ اخبث الکفار واَنجس المرتدین عبدالماجد بلی ستے ۔ دریا آبادی الخ (صـ ۱۲۵)

۱۰۔ خواجگی کے دعویدار، کفر کی تبلیغ کے ٹھیکیدار، اسلام کی مخالفت کے علمبردار کرشن کنہیا کے امتی۔ مسٹر ٹکا دھاری خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ (صـ ۱۳۹)

۱۱۔ فرقہ احرار اشرار بھی فرقہ نیچریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس ناپاک فرقہ کے بڑے بڑے مکلبین یہ ہیں امام الخوارج مبلغ وہابیہ ایڈیٹر النجم عبدالشکور کاکوروی۔ صدر مدرسہ دیوبند حسین احمد اجودھیا باشی۔ شبیر احمد دیوبندی۔ عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمٰن لدھیانوی، احمد سعید دہلوی، نائی عن الاسلام کفایت اللہ شاہ جہان پوری، عبدالغفار خان سرحدی گاندھی۔ اس فرقہ کا سرغنہ مسٹر ابوالکلام آزاد ہے جو امام الاحرار کہلاتا ہے۔ (صـ ۱۶۰)

۱۲۔ مرتد عبدالشکور ایڈیٹر النجم خارجی کاکوروی کے عقائد خبیثہ الخ (صـ ۱۶۰)

۱۳۔ پیر نیچر کے قوت بازو نواب محسن الملک۔ (صـ ۱۸۷)

۱۴۔ مرتد مرتضیٰ حسن دربھنگی (چاندپوری) (صـ ۲۳۷)

۱۵۔ مرتد ثناء اللہ امرتسری سرغنہ غیر مقلدین۔ (صـ ۲۴۷)

۱۶۔ سعودی عرب کی حکومت ملعونہ الخ (صـ ۲۶۸)

۱۷۔ شبلی اعظم گڑھی کی نیچریت و دہریت اس کی کتابوں سیرت النبی والفاروق وسیرۃ النعمان میں اپنے زندیقی ــــــــ کرشموں کی بہار اور الحادی جرثوموں کا ابھار دکھا رہی ہے (صـ ۲۸۹)

۱۸۔ فلسفی نیچریت ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنی فارسی و اردو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپیگنڈہ کیا ہے۔ (صـ ۳۳۴)

۱۹۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان پہ ابلیس بول رہا ہے۔ (صـ ۳۴۰)

۲۰۔ شاعر نیچریت الطاف حسین حالی (صـ ۳۱۷)

یہ نمونے از خروارے کے طور پر چند حوالے نقل کیے گئے ہیں۔ ورنہ پوری کتاب ہی اس قسم کے

بے لاگ فتووں کا مجموعہ ہے۔

(۵) قہر القادر علی الکفار اللیاڈر۔

یہ بھی مصنفِ تجانب اہل السنۃ مولوی ابو الطاہر محمد طیب دانا پوری کی تالیف ہے۔ اڑتالیس ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بانی خاکسار تحریک علامہ عنایت اللہ المشرقی کے خلاف لکھا گیا ہے مگر مندرجہ ذیل دو حوالوں سے قارئین اس کی اصلیت کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے۔

۱- دین فروش و دنیاخر مولوی نما لیڈروں میں اسماعیل دہلوی۔ نذیر حسین دہلوی۔ سر سید احمد خاں کوری علی گڑھی۔ قاسم نانوتوی۔ رشید احمد گنگوہی آنجہانیاں اور ایں جہانیاں میں اشرف علی تھانوی۔ حسین احمد اجودھیا باشی، عطاء اللہ بخاری۔ ابو الکلام آزاد، محمد علی جینا (حیرت ہے کہ جناح جیسے چائے کو بھی مولوی نما لیڈروں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ بشیر) عنایت اللہ مشرقی، عبد الشکور کاکوروی مبلغ وہابیہ ام الخوارج وغیرہم مشہور و معروف ہیں۔ نیز حسن نظامی و شبیر احمد دیوبندی و کفایت اللہ شاہجہان پوری و احمد سعید دہلوی ڈاکٹر اقبال (یہ بھی ان کے مولوی نما لیڈر ہیں۔ بشیر) عبد الماجد دریا آبادی۔ محمد علی جوہر، عبد الغفار سرحدی گاندھی (یہ بھی ان کے مولوی نما لیڈر ہیں۔ بشیر) (صلا)

۲- پیر نیچر (سر سید) نے اپنے نورتن بنا رکھے تھے جو پیر نیچر کے وزیران نیچریت اور مشیران دہریت اور مبلغین زندیقیت تھے۔ جن کے نام یہ ہیں نواب محسن الملک مہدی علی خاں۔ نواب اعظم یار جنگ، مولوی چراغ علی خاں۔ نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین، مولوی الطاف حسین حالی، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود خاں، شبلی نعمانی اعظم گڑھی۔ ڈپٹی نذیر احمد خاں دہلوی (حاشیہ صلا)

(۶) الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ۔

یہ رسالہ خاں صاحب بریلوی نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے خلاف تحریر کیا تھا جسے ۱۹۴۲ء میں (عین اس وقت جب کہ مسلم لیگ قیام پاکستان کے لیے فیصلہ کن جدوجہد کا آغاز کر چکی تھی بشیر) آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف شائع کر دیا گیا اور اس میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ

لا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم

واذا مرضوا فلا تعودوهم واذا ماتوا فلا تشہدوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم۔ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ ان کے ساتھ پانی نہ پیو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ان سے رشتہ نہ کرو۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ۔ مرجائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ۔ نہ ان کی نماز پڑھو۔ نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو (ص۴)

نیز رسالہ کے ٹائیٹل پر یہ عبارت صاف طور پر مذکور ہے کہ

جن سے یعنی جو دلائل رسالہ مذکور میں دیئے گئے ہیں۔ بشیر اسلم لیگ کی شرکت و رکنیت و امداد و اعانت کا حکم شرعی بھی واضح و آشکارہ

اس رسالہ پر ۱ مولوی مصطفیٰ رضا خان بریلوی ۲ مولوی حامد رضا خاں بریلوی ۳ مولوی امجد علی اعظمی، ۴ مفتی نعیم الدین مراد آبادی ۵ مولوی سید سید دیدار علی شاہ الوری ۶ مولوی عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (شاہ احمد نورانی صاحب کے والد) وغیرہ تقریباً ۸۰ اسی جید بریلوی علماء کے دستخط ہیں۔

ان تاریخی حقائق سے اگرچہ بریلوی حضرات کو تکلیف ہو گی۔ مگر ان پہ پردہ ڈالنا بھی تاریخ پر بہت بڑا ظلم ہے۔ گو وہ یہ کہیں گے ؎

نہ چھیڑ اے ہمنشیں اب زیست کے مایوس نغموں کو
کہ اب بربط کے تاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے

۴۔ جناب عبدالمجید سالک مرحوم فرماتے ہیں کہ

سلطان ابن سعودؒ کی تطہیر حجاز کے غلغلہ نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دو مذہبی کیمپوں میں تقسیم کر رکھا تھا..... علامہ اقبالؒ سلطان ابن سعودؒ کی حمایت میں بیان دے چکے تھے اور بدعتی علماء ان کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک خوش طبع نوجوان کو دل لگی سوجھی۔ ایک نے ایک استفتاء مرتب کر کے مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحب خطیب مسجد وزیر خان (لاہور) کو بھیج دیا۔ یہ صاحب اپنے شوق تکفیر کے لیے بے حد مشہور تھے۔ چنانچہ متعدد اکابر مسلمین کو کافر بنا چکے تھے، چنانچہ استفتاء کے جواب میں مولانا دیدار علی صاحب فرماتے ہیں۔

جب تک ان کفریات سے قائل (علامہ اقبالؒ) توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا

تمام مسلمان ترک کر دیں۔ ورنہ سخت گنہگار ہوں گے

(ذکر اقبال صفحہ ۱۲۹ و سرگزشت اقبال صفحہ ۱۹۱)

یاد رہے کہ مولوی دیدار علی صاحب خان صاحب بریلوی کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں۔ اور بریلوی حضرات کے امام المحدثین ہیں۔

(ملاحظہ ہو تذکرہ اکابر اہلسنت جلد اوّل صفحہ ۱۴۰ از عبدالحکیم شرف قادری)

اگرچہ مولوی دیدار علی شاہ صاحب بریلوی حضرات کے ہاں بڑے مولوی اور خادم دین سمجھے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز ؔ — دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

۴۔ **مشہور مورخ جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں کہ**

بعض بریلوی (بلکہ آجکل کے تمام بریلوی۔ تکبیر) تو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسی ہستیوں کو بھی کافر کہنے یا کم از کم ان کی تصانیف اور اُن کے ارشادات پر سخت اعتراضات اور اظہار نفرت کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ (موج کوثر صفحہ ۷۰)

۵۔ **مولانا حکیم عبدالحیؒ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ**

(مولانا احمد رضا خان بریلوی) بہت جھگڑالو، اپنی ذات اور علم پر بہت گھمنڈ کرنے والے، اپنے معاصرین و مخالفین کی باتوں کو بہت کم ماننے والے۔ دشمنی اور خصومت میں بہت ہی سخت اہل اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جانے والے۔ اور پیچھا نہ چھوڑنے والے۔ تکفیر مسلم میں بہت ہی عجلت پسند، زمانہ اخیر میں انہوں نے دیار ہند میں تکفیر و تفریق کا علم بلند کیا۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم صفحہ ۳۹)

(یہ کتاب عربی میں ہے یہاں صرف ترجمہ پر ہی بوجہ خوف طوالت اکتفا کی گئی ہے از تکبیر)

۶۔ **مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ فرماتے ہیں۔**

یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب (بریلوی) اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھ کر کافر سمجھتے تھے

(ذکر آزاد صفحہ ۱۲۱)

۷۔ جناب رئیس احمد ندوی فرماتے ہیں کہ

مولانا احمد رضا خان صاحب نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف ۷۲ وجوہ پر مشتمل کفر کا فتوٰی دیا جس میں ایک وجہ یہ تھی کہ ان کا نام عبدالباری تھا۔ اور لوگ انہیں باری میاں کہتے تھے۔ اگر ان کا نام عبداللہ ہوتا تو لوگ انہیں اللہ میاں کہتے۔ لہذا (مولانا عبدالباری) کافر۔ (آزادی ہند صفحہ ۱۸۹ از رئیس احمد ندوی)

غور فرمائیں کہ تعصب اور شوقِ تکفیر میں لوگوں کے باری میاں کہنے سے مولانا عبدالباری کافر ہوگئے، سبحان اللہ تعالٰی۔ بھلا ان کا اس میں کیا قصور تھا؟ مگر یہ نہ پوچھیے۔ عمر بھر اس کا صحیح جواب خان صاحب کی عقل اور علم پر نوحہ خوانی کے بغیر اور کچھ نہیں ہے

غزل میں در و رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا ۔۔۔ کہ اس میدان میں روتے رہیں گے نوحہ خواں برسوں

۸۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم فرماتے ہیں:

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ ۔۔۔ کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں؟

آمادہ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں ۔۔۔ ہر چند ابھی مائلِ اظہار نہیں ہیں

افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا ۔۔۔ یا ہیں تو بقول آپکے دیندار نہیں ہیں

کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد ۔۔۔ کیا آپ بھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں!

جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوءِ ادب ہے ۔۔۔ کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

(بحوالہ چٹان ۲۰ دسمبر ۱۹۶۲ء۔ شمارہ ۴۹)

۹۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ فرماتے ہیں۔

ایسے زمانے بہت کم ہیں کہ جب علماء کا کوئی طبقہ ایسا موجود نہ ہو جو مسلمانوں کو کافر بنائے۔ لیکن ہمارے ہندوستان کے مولویوں کے اس طبقہ نے جس کا دارالصدر بریلی شریف ہے اس سلسلہ میں خاص نام پیدا کیا ہے۔ شغل کفر ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ مسلمان مریں یا جئیں۔ ان کی حالت تباہ ہو یا برباد۔ ان کے لیے ایک اور صرف ایک کام

ہے یعنی اچھے خاصے مسلمانوں کو کافر بنانا۔ اس صنعتِ کفر سازی میں خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ جدت بھی یقیناً قابلِ تعریف ہے کہ تو کافر۔ تجھے کافر نہ سمجھنے والا کافر، تیری بیوی پر طلاق۔ تجھے کافر نہ سمجھنے والے کی بیوی پر طلاق غنیمت ہے کہ ابھی تک سلسلہ اس سے آگے نہیں بڑھا۔ اگر طبع رسا زیادہ جولانیاں دکھانے لگے تو خدا معلوم سوائے کافر بنانے والے مولانا کے اور کوئی مسلمان رہے گا بھی یا نہیں۔ یہ تو کچھ مشکل ہی نہیں کہ تو کافر۔ تیری اولاد کافر، تیری اولاد کی اولاد کافر، تیری بیوی پہ طلاق، تیری اولاد کی بیویوں پہ طلاق وغیرہ وغیرہ الخ (بحوالہ بریلوی فتوے ص۱۷۶)

ملاحظہ فرمائیے کہ علماءِ حق کی زندگیاں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی نشر و اشاعت اور انگریز کے خلاف جہاد میں گذریں مگر خانصاحب اور ان کی ذریت نے ان پہ کفر کے گولے برسائے۔ آہ کہ

وفاؤں کے بدلے جفا کر رہے ہیں
میں کیا کر رہا ہوں وہ کیا کر رہے ہیں

۱۰۔ مولانا معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ

اس قدر گذارش وحقیقتِ حال روشن کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کی خاص الخاص شیشہ زیوں سے انصاف کی توقع اس لیے نہیں کہ ان کو اعلیٰ حضرت کی ذات سے منافع دنیوی (گیارہویں، قل، عرس، برسی وغیرہ بدعات کے ذریعہ سے۔ بشیر) حاصل ہیں۔ جن پر اُن کا کارخانۂ زندگی چل رہا ہے۔ اس لیے وہ دنیا کے قدر شناس عقل وعلم سے پاک ومقدس ہستیاں ہر ایک قسم کے تخاطب سے آزادی بخشنے کے لائق ہیں۔ (تجلیات انوار المعین ص۶)

چونکہ مولانا معین الدین۔ اجمیریؒ بذاتِ خود تحریک آزادی کے سرگرم مجاہد تھے اور علماء دیوبند کے ساتھ مل کر جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پہ انہوں نے آزادیٔ وطن کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ اس لیے وہ علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ انتہائی عزت واحترام سے پیش آتے تھے چنانچہ

مولانا (اجمیریؒ) کا سیاسی مسلک تحریکِ خلافت سے لیکر آخر وقت تک ایک ہی رہا۔ غیر ملکی حکومت کا خاتمہ اور استخلاص وطن کی جدوجہد میں تمام اقوام ہندوستان

سے اشتراکِ عمل، مجلس احرارِ اسلام، جمعیۃ علماء ہند، آل انڈیا خلافت کمیٹی۔ انڈین نیشنل کانگریس ہر آزادی پسند جماعت کے رکن رکین تھے۔ صوبائی و مرکزی صدر و ڈکٹیٹر رہے

(باغی ہندوستان صفحہ ۲۱۴)

آزادئ وطن کے لیے مولانا اجمیریؒ کا مجاہدانہ کردار اور علماء دیوبند کے ساتھ ان کے مخلصانہ روابط خانصاحب بریلوی کے صاحبزادہ مولوی حامد رضا خان بریلوی کو سخت ناگوار گزرے۔ ان کی رگِ تکفیر پھڑکی اور مولانا اجمیریؒ کے خلاف ایک رسالہ لکھ مارا۔ چنانچہ اس رسالہ میں چھوٹے میاں یعنی چھوٹے حضرت نے جو گل کھلائے ہیں، وہ پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔

چھوٹے حضرت رقمطراز ہیں کہ

القول الاظہر سے ظاہر و مترشح ہے کہ اس کے مصنف (مولانا اجمیریؒ) کے نزدیک صد درجہ کے مفسدین فی الدین گنگوہی و تھانوی، نانوتوی و دیوبندی مرتدین مسلمان ہیں۔

(اجلی انوار رضا صفحہ ۱۳ بحوالہ بریلوی فتوے صفحہ ۱۸۶)

اور جب مولانا اجمیریؒ کے نزدیک یہ حضرات علماء دیوبند مسلمان ہیں۔ تو خانصاحب بریلوی کے ان حضرات کے بارے میں من شک فی کفرھم وعذابھم فقد کفر کے بے لگام فتوے کے مطابق مولانا اجمیریؒ اس فتوئ کفر سے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں؟

لیکن اس بحث کا نتیجہ اور کن مورد ہے۔ جناب خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب نے اپنے استاد محترم مولانا معین الدین اجمیریؒ کے بارے میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں فرمایا کہ۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کا عشق رسول بجا مگر میں بلحاظ علم و فضل انہیں اپنے استاد علامہ معین الدین اجمیریؒ کے برابر نہیں سمجھتا۔

(حکایت مہر و وفا صفحہ ۲۳ از سید نفیس الحسینی صاحب)

اور علماء دیوبند کے بارے میں خواجہ صاحب کے تاثرات یہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

مولانا انور شاہؒ صاحب (کاشمیری) کا حافظہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ (ایضاً صفحہ ۲۳)

میں علماء دیوبند کی تکفیر سے بری ہوں۔ (ص۲۲ ایضاً)

مولانا محمود حسنؒ (دیوبندی) بہت بڑے محدث تھے۔ (ایضاً ص۲۳)

نیز ایک دوسرے مقام پر اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ

میں نے تحذیر الناس کو دیکھا۔ میں مولانا محمد قاسمؒ صاحب (نانوتوی) کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔ خاتم النبیین کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے۔ وہاں تک معترض کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔

(ڈھول کی آواز ص۱۱ از مولانا کامل الدین رتوکالوی)

۱۱۔ مولانا محی الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ

اعلیٰ حضرت کی مشنیری اطراف ہندوستان میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں اعلیٰ حضرت کے احکام کی جابجا تبلیغ واشاعت ان کا کام ہے۔ یہ لوگ گو خود علم سے محض ناآشنا ہوتے ہیں۔ جن کا مبلغ علم کل یہ ہوتا ہے کہ اعلحضرت کے اردو رسالے اس طرح پڑھ دیں کہ فی سطر کم از کم دس غلطیاں صرور کر جائیں۔ لیکن علماء ربانیین کی تکفیر وتوہین ان کا شعار اور ان کی تضلیل وتفسیق ان کا دثار ہے۔ جس سرزمین میں جہالت عروج پر ہوتی ہے۔ وہاں ان کے قدم خوب جمتے ہیں۔ اور جس خطہ پاک میں علمی چرچا ہوتا ہے اس طرف اوّلاً تو یہ حضرات رُخ نہیں کرتے کیونکہ گو علم سے واقف نہ سہی لیکن اپنی حقیقت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور اگر غلطی سے وہاں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے واہی تباہی مضامین کے باعث تمغۂ شہر بدری ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔ (تجلیات انوار المعین ص۸ حاشیہ) رَأَیْتُ أَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا

ان مذکورہ حضرات کے خانصاحب بریلوی اور ان کے متبعین سے شکوہ وشکایات کی حقیقت مزید واضح کرنے کے لیے طبقہ بریلویہ کے چند فتوے نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اس طبقہ کی اصلیت اور اس بات کی حقیقت قارئین کے سامنے واضح ہو جائے کہ یہ مذکورہ حضرات خان صاحب بریلوی اور ان کی مشنیری سے اس قدر بیزار کیوں ہیں ؟

۱۔ مولوی محمد عمر صاحب اچھروی لکھتے ہیں۔

باپ کی صحبت نے شاہ ولی اللہ صاحب کو رنگا۔ اور حرمین شریفین تک رسائی کرادی۔ جس کے متعلق آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ دیکھئے فیوض الحرمین وغیرہ نجدی کی صحبت ملی تو رسائی بھی گئی اور رنگ بھی جاتا رہا۔ جب واپس پہنچے تو حالت دگرگوں ہوچکی تھی۔ اور اپنے والد ماجد کا عطیہ ولایت بھی کھو چکے تھے۔ حتیٰ کہ والد ماجد کے سلجھے ہوئے مریدین نے جب ہتک آمیز کلمات بزرگوں کی شان میں سنے تو دست افسوس ملتے ملتے علیحدہ ہوگئے۔۔۔۔ دہلی میں ایک شور برپا ہوگیا کہ ولی اللہ وہابی ہو چکا ہے۔ چنانچہ حیات طیبہ کے صفحہ ۱۲ پر درج ہے کہ تمام علماء اسلام نے متفقہ طور پر فتویٰ کفر صادر کیے تو شاہ صاحب کا جدی وعلمی وقار ھباً منثوراً ہوگیا۔ شاہ صاحب نے اپنے نئے مذہب وہابیت کی اشاعت کے واسطے اپنے خاندانی مذہب حنفی کے نام کو بدل کر محمدی رکھ لیا۔ (مقیاس حنفیت، صفحہ ۵۷۶)

اب تاریخ سے ہمارا یہ سوال ہے کہ وہ علماء اسلام کون تھے؟ جنہوں نے شاہ ولی اللہ پر فتویٰ کفر دیا تھا۔ تاریخ کے اوراق ان لرزوں کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دینے والے اور خاندان ولی اللّٰہی کے سب سے پہلے مخالف مولوی فضل رسول بدایونی تھے۔ جنہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا وہ اہلسنت کے خلاف ہے۔

(بحوالہ شاہ اسماعیل شہیدؒ صفحہ ۱۳ از علامہ خالد محمود)

حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی تھی جو مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔

شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہندوستان کے طول وعرض میں کافی اثر تھا۔ مسلمان اس خاندان کے ارادتمند و معتقد تھے۔ (اطیب البیان صفحہ ۴)

خاندان ولی اللّٰہی کے اس اثر اور ان کی ملک گیر شہرت سے انگریز خائف تھے کیونکہ وہ اس خاندان کے افراد کے علمی ذوق اور عملی جدوجہد سے بخوبی اندازہ کرچکے تھے کہ آزادی حریت

کی کوئی بھی تحریک اسی خاندان کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر ہوگی۔ لہذا ایسے حالات پیدا ہونے سے پہلے جس طرح بھی بن آئے محدثین دہلی کے مرکزی کردار کو ختم کیا جائے۔ اور مسلمان جس طرح سیاسی طور پر طوائف الملوکی کا شکار ہیں دینی طور پر مختلف گروہوں میں بٹ جائیں۔ اس مقصد کے لیے مولوی فضل رسول بدایونی جیسے علماء سو خریدے گئے۔ چنانچہ مولوی فضل رسول صاحب کا ایک طرف علمی مقام و مرتبہ تو یہ ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ

عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں۔ (بحوالہ شاہ اسماعیل شہید ص۱۵)

اور دوسری طرف سیاسی طور پر خاندان ولی اللہ کی مخالفت کا انہوں نے پورا پورا معاوضہ وصول کیا۔ چنانچہ ان کے سوانح نگار جناب یعقوب حسینی صاحب بدایونی فرماتے ہیں کہ

آپ (مولوی فضل رسول بدایونی) سرکار انگریز کے ملازم تھے آپ کو انگریزوں کے زیر اثر بعض دیسی ریاستوں سے کچھ وظائف بھی ملتے تھے۔

(اکمل التاریخ ص ۳۷/۲ بحوالہ شاہ اسماعیل شہید)

ممتاز مورخ جناب پروفیسر ایوب قادری مرحوم فرماتے ہیں کہ

مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔ شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدر آباد سے ستر روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا۔ اور ۱۹۵۱ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا۔ (جنگ آزادی ۸۵۷ا ص ۶۳)

نیز فرماتے ہیں کہ

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس سال بعد وہابیوں کے رد میں کتابیں لکھنا شروع کیں۔ ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا۔ (ایضاً ص ۶۳)

(یاد رہے کہ پنجاب میں سکھوں کی ریاست ۱۸۴۶ء میں ختم ہو چکی تھی۔ اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب

سے اقتدار کا دہلی کے ساتھ مکمل الحاق ہو چکا تھا۔ بشیر)

تو خاندان ولی اللٰہی کی مخالفت کرنے والے ان علماء کے گھناؤنے کردار کے پیش نظر عام قاری بھی یہ فیصلہ باآسانی کر سکتا ہے کہ یہ علماء اسلام تھے یا علماء سُوء، انہی علماء سوء کے گھناؤنے کردار پہ بحث کرتے ہوئے ممتاز شارح اقبال جناب اعجاز الحق قدوسی فرماتے ہیں کہ

انگریز علماء کے اثر سے ناواقف نہ تھا اس نے علماء سوء سے فتویٰ حاصل کیا جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہید کو وہابی اور لادین قرار دیا گیا۔ انگریز کو حاکم وقت بتایا گیا مسلمان اس کی پناہ میں قرار دیئے گئے۔ انگریزوں کی اطاعت واجب قرار دی گئی۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند ص۳۵)

اس قدر واضح شہادت کے بعد ان علماء سوء کی حقیقت و اصلیت آشکار کرنے کے لئے مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۲۔ سرسید احمد خان کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر۔ (ملفوظات حصہ اول ص۱۲۳ طبع کراچی)

۳۔ میرا (یعنی خانصاحب بریلوی کا) مسلک ہے کہ وہ (اسماعیل شہیدؒ) یزید کی طرح ہے۔ اگر کوئی کافر کہے تو منع نہ کریں گے اور خود کافر نہ کہیں گے۔ البتہ غلام احمد، سید احمد، خلیل احمد، رشید احمد، اشرف علی کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر ہے۔ (ملفوظات حصہ اول ص۱۱۰)

ایک طرف تو ان کا یہ سلوک ہے (دوسری طرف) خود تمہید ایمان میں یہ فرماتے ہیں۔

علماء محتاطین انہیں (یعنی شاہ شہیدؒ کو) کافر نہ کہیں یہی صواب ہے۔ یہی جواب ہے یہی فتویٰ دیا جائے گا۔ اسی پہ فتویٰ ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پہ اعتماد اور اسی میں سلامتی۔ اور اسی میں استقامت ہے۔

(تمہید ایمان بآیات القرآن ص۱۷)

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں کہ

حاشا للہ۔ حاشا للہ ہزار ہزار بار حاشا للہ میں ہرگز ان کی (شاہ شہیدؒ کی) تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ان کے مقتدیوں یعنی مدعیانِ جدید (مولانا گنگوہیؒ، مولانا نانوتویؒ، مولانا تھانویؒ

وغیرہ) کر تو انہی کمشنر نگاں ہی جا سکتا ہے ... اور یا امام الطائفہ (اسماعیل شہید) کے
کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے
منع فرمایا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۶۲)

خان صاحب بریلوی کے اس واضح فتویٰ اور بیان کے باوجود حضرت شاہ شہید اور ان کے بعد بزرگوں کی تکفیر بریلوی حضرات کے ہاں ایک محبوب مشغلہ ہے۔ جبکہ اس تکفیر کی بنیاد خان صاحب بریلوی نہیں بلکہ مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی (مولانا فضل حق صاحب کا شمار جید علمی مسائل میں حضرت شاہ شہید کے ابتدائی مگر شدید مخالفین میں ہوتا ہے ایک دوسرے کے خلاف رسائل بھی لکھے گئے مگر یہ اختلاف خالص علمی تھے اور علمی مسائل میں تھے۔ بریلوی حضرات نے شاہ شہید کی مخالفت کی وجہ سے مولانا خیرآبادی کو اپنے طبقہ میں شامل کر لیا۔ اور اتفاق یہ ہوا کہ مولانا خیرآبادی کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا فضل حق رامپوری کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا اور جزیرہ انڈیمان بھیج دیا گیا۔ بریلویوں نے ان سیاسی یتیموں کو اپنے طبقہ کی انگریز دشمنی ثابت کرنے کے لیے صرف ایک مولانا خیرآبادی کی گرفتاری بطور شہادت میسر آئی اور اس گرفتاری کی آڑ میں اس طبقہ نے اپنی سیاسی یتیمی چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر خدا بھلا کرے پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کا کہ انہوں نے مولانا خیرآبادی کی گرفتاری کی حقیقت بھی بیان کر دی کہ مولانا خیرآبادی کو مولانا فضل حق رامپوری کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور ساتھ ہی مولانا خیرآبادی کا وہ خط بھی شائع کر دیا جو انہوں نے نواب یوسف علی خان رئیس رامپور کے نام وضاحت کے لیے لکھا چنانچہ مولانا فضل حق خیرآبادی کی وضاحت [illegible] آزادی کا حکم جاری کر دیا گیا مگر افسوس کہ جب آزادی کا پروانہ وہاں پہنچا تو ان کی روح قفس عنصری سے آزاد ہو چکی تھی۔ (تفصیل ملاحظہ فرمایئے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از پروفیسر محمد ایوب قادری) بلکہ شاہ شہید کے ساتھ تمام تر اختلافات کے باوجود ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی وہ بیشک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔ مجھ پر جو مصیبت پڑی یہ میرے اپنے اعمال کی سزا ہے میری مولوی اسماعیل سے دوستی تھی۔ میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا جائے کہ بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے بھڑا دیا۔ (امیر الروایات ص ۱۶ بحوالہ شاہ اسماعیل شہید از علامہ خالد محمود)

نیز فرماتے ہیں کہ

اسماعیل کو ہم مولوی (ہی) نہ جانتے تھے۔ وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا۔ کوئی شئی نہ تھی جکی اِنّیّت و لِمّیّت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ (الحیاۃ ص۱۱ بحوالہ مذکور)

۴۔ ستمبر ۱۹۱۷ء کے سالانہ اجلاس مسلم لیگ میں مشہور گاندھی لیڈر محمد علی آنجہانی اس کے صدر ہوئے۔ (الدلائل القاہرہ ص۴)

(یہ مولانا محمد علی جوہر ہیں۔ جو آزادئ وطن کے غیور اور صف اوّل کے مجاہد تھے ما بشیر)

۵۔ شوکت علی صاحب کو بھی حامیان اسلام میں گنا ہے۔ مگر یہ وہی ہیں جنہوں نے مشرکین کی خوشنودی خدا کی خوشنودی مانی۔ (دوامغ الحمیر ص۱۲ بحوالہ بریلوی فتوے)

مولانا شوکت علی خانؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ کے بھائی اور تحریک آزادی کے سرگرم راہنما تھے۔ واقعات تاریخیہ میں ان دونوں بھائیوں کو علی برادران کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بشیر

یہ چند حوالے اس طبقہ کی حیثیت و حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے نقل کر دیے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ؎

ہوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل جو تیری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

اس کے بعد ہمیں اس طبقہ بریلویہ کی تاریخی حیثیت کا مزید تذکرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ مذکورہ بالا چند حوالوں سے ہی اس طبقہ کی تاریخی حیثیت سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ ان تمام تاریخی حقائق کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ یہ طبقہ کسی سیاسی ضرورت کے تحت مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو مجروح کرنے اور اقتدار برطانیہ کی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو ہرگز بیجا نہیں ہو گا۔ ؎

حیات کیا ہے اگر تلخئ حیات نہیں
وہ زندگی ہی نہیں جس میں حادثات نہیں

باقی رہی اکابرین علماء دیوبند کی سیاسی تاریخ تو وہ آفتاب نیمروز کی طرح واضح اور روشن ہے اور کوئی دیانتدار مورخ اس بے داغ تاریخ سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتا۔ البتہ بغض و عناد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کی سیاسی تاریخ کی ایک جھلک

بھی قارئین کی خدمت میں پیش کردی جائے، تاکہ آئینہ کے دونوں رُخ پیشِ نظر رہیں۔ اور حقیقت عیاں ہوجائے۔ ؎

ہم حقیقت ہیں تو تسلیم نہ کرنے کا سبب؟
ہاں اگر حرفِ غلط ہیں تو مٹا دو ہم کو

(۱) تحریک بالاکوٹ

تمام مورخین کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کے سلسلے تمام تر جدوجہد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی سرپرستی میں طے پائی ۱۷۹۹ء میں شہید میسور سلطان فتح علی ٹیپو شہیدؒ کی شہادت کے بعد انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے جس انقلابی تحریک کی داغ بیل اپنے ہاتھوں سے ڈالی تھی تقریباً ایک ربع صدی تک آپ اس خفیہ انقلابی تحریک کی خفیہ سرپرستی کرتے رہے ۱۸۲۴ء میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا انتقال ہوا اور اسی سال سید احمد صاحب اپنے مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ تاریخ سے ادنیٰ شناسائی رکھنے والا ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس انقلابی تحریک کی بنیاد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا یہ فتویٰ قرار پائی ہے کہ

ہندوستان دارالحرب ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص۱۷/۱۶ و ص۱۱۱/۱۱۲)

اسی بنیاد پر اس تحریک کی عمارت استوار کی گئی۔ مجاہدین کی اصلاحی اور باطنی تربیت کے لیے حضرت سید صاحبؒ انہیں اپنے ساتھ حج پر لے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد حضرت سید صاحبؒ کے کیا عزائم تھے؟ مشہور انگریز مؤرخ سر ولیم ولسن ہنٹر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(حج سے) پہلے جو چیز ان (سید صاحب) کا خواب و خیال تھی اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی۔ جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے دیکھا۔ اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن ہوتے ہوئے دیکھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۸۹)

یوں تو مسٹر ہنٹر کی پوری کتاب ہی حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء و خلفاء کی انگریز دشمنی پر مرتب ہوئی ہے۔ مگر اس مذکورہ ایک اقتباس ہی سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سید صاحب

کے علم اٹھا لیا تھا۔

لطیفہ:- مقاصد اور ذہنیت [illegible] شدید مناسبت کا یہ

ایک دلچسپ [illegible] القاب سے

مخاطب کر کے [illegible] پیدا کرنا چاہتا ہے

اور [illegible] کا الزام دیکھ

عوام کے اندر [illegible] سمجھتے ہیں مگر اہل حق کی

شہرت اور خدمت دین کا جذبہ اور [illegible] ہے۔

حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترک محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

حالات نے پنجاب کے راجہ رنجیت سنگھ کی خالصہ حکومت کی طرف سے مسلمانان پنجاب پر ظلم و ستم کی وجہ سے حضرت سید صاحب کو مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لیے خالصہ (سکھ) گورنمنٹ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ تاریخ پنجاب کا یہ دردناک دور تھا کہ جب مسلمان لڑکیوں کا جبری اغواء عام تھا۔ مساجد اسلامیہ کو اصطبل بنا دیا گیا تھا۔ اذان و نماز اور دیگر شعائر اسلام پر شدید پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ چنانچہ مشہور مورخ جناب شیخ محمد اکرام فرماتے ہیں کہ۔

جب مولانا سید احمد بریلویؒ وعظ و ہدایت کے سلسلے میں رام پور تشریف لے گئے تو وہاں کئی ولائتی افغان آئے اور انہوں نے ایک بڑا دردانگیز قصہ سید صاحب کے روبرو اس طرح بیان کیا کہ ہم لوگ اثنائے راہ ملک پنجاب میں ایک کنوئیں پر پانی پینے کو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ چند سکھنیاں یعنی سکھوں کی عورتیں اس کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ہم لوگ دیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہم نے اپنے مونہوں پہ ہاتھ رکھ کر ان کو اشاروں سے بتایا کہ ہم پیاسے ہیں۔ پانی پلاؤ۔ تب ان عورتوں نے ادھر ادھر دیکھ کر پشتو زبان میں ہم سے کہا کہ ہم مسلمان افغان زادیاں ہیں۔ فلاں ملک اور بستی کی رہنے والیاں ہیں۔ اور یہ سکھ لوگ ہمیں زبردستی پکڑ لائے اور سکھنیاں بنا کر اپنی جورو میں کر لیا ہے۔ یہ سن کر ہمیں بہت رنج ہوا کہ مسلمان عورتیں جبراً اس طرح

کافر بنائی جائیں۔ اے سید صاحب! آپ ولی اللہ ہیں۔ کچھ ایسا فکر کرو کہ ان کو اس کفر سے نجات ملے۔ تب سید صاحب نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔ (موج کوثر ص ۱۲)

پنجاب کے یہ المناک حالات کسی بھی غیور مسلمان کے لیے سکھوں کے خلاف جہاد کا کافی سبب تھے۔ لیکن افسوس کہ جہاد کی یہ توفیق اور مظلوم مسلمانوں کی حمایت کا یہ شرف حضرت سید صاحب اور ان کے مجاہدین کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوا۔ جب کہ اس پاکباز اور مقدس گروہ پر کفر کے فتوے دینے والے وہ لوگ ہیں جن کے پاؤں میں آزادی وطن کے لیے ایک کانٹا تک نہیں چبا۔ خون تو کجا بہت مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لیے اس گروہ نامراد کے پسینے کا ایک قطرہ تک نہ گرا۔ جن کی زبانیں گنگ اور قلم خشک ہو چکے تھے۔ البتہ یہ زبانیں اور یہ قلم برطانوی ایجنٹوں کے ساتھ مجاہدین آزادی کے خلاف اس شدت سے متحرک ہوئے کہ آج تک ان کی حرکت ختم نہ ہوئی۔

تاریخ اسلامی کے نامور اسکالر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے، شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام (حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) کی جنتی اور فضیلت پر بطرف اس کی شہادت مسلّم اور شہدا کی مغفرت مسلّم تکفیر و تضلیل میں کوئی غلو نہ نکلا ہو۔ لعنت نہ سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ علماء کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بنی امیہ کے دربار میں نہیں کی گئی۔ فتنہ وہابی کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو۔ وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا۔ اور یہ ان لوگوں نے کیا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی۔ جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا۔ جن کو خون چھوڑ کر کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک

قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ ان لوگوں نے کیا جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنا سر کٹایا۔ تو کیا اس کا یہی گناہ تھا؟ اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں۔ مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اس وقت یہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی والے جو ایک کلمہ کفر برداشت نہیں کر سکتے کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں؟ ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان الفاظ سے تکلیف ہو ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف　　آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

(کاروانِ ایمان و عزیمت ص۳۹ از مولانا ابوالحسن علی ندوی)

مسلمانانِ پنجاب پر سکھوں کے مظالم کے علاوہ حضرت سید صاحب کو مجاہدین کے لیے ایک مرکز جہاد کی بھی ضرورت تھی اور پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے ساتھ سکھوں پر غلبہ حاصل کرنا انگریزوں کی مضبوط قوت کو مغلوب کرنے کی نسبت آسان تھا۔ چنانچہ حضرت سید صاحبؒ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات بھی دلائی جا سکے اور مجاہدین حریت کے لیے ایک مرکز جہاد بھی مہیا کیا جا سکے۔

ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد مختلف معرکے سَر کرتے ہوئے حضرت سید صاحبؒ کا یہ مختصر سا لشکر ۱۸۳۰ء میں پشاور پہنچا اور پشاور فتح کر لیا۔ تقریباً تین ماہ تک پشاور پر حضرت سید صاحبؒ کا قبضہ رہا۔ لیکن چند ملت فروشوں اور مفاد پرست مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے مئی ۱۸۳۱ء میں پاکبازانِ امت کا یہ طائفۂ منصورہ راجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کے ہاتھوں بالاکوٹ کی سنگلاخ چٹانوں پہ شکست کھا گیا۔ اور حضرت سید صاحبؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ جامِ شہادت نوش کر گئے۔

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مقامِ عبرت: ۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ شہدائے بالاکوٹ کی شہادت شیر سنگھ کے خالصہ لشکر کے ہاتھوں ہوئی۔ مگر خانصاحب بریلوی حضرت شاہ شہیدؒ کے ساتھ اپنی بھرپور عداوت، ودشمنی اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے شاہ شہیدؒ کے قاتل سکھ لشکر کو بہترین لوگ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا

وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

(حدائق بخشش حصہ دوم ص۴۷ طبع لاہور)

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت سیّد شہیدؒ صاحب کا مقصد اصلی سکھوں کے خلاف جہاد ہی تھا یا اس سے آگے کوئی اور مقصد بھی تھا؟ کوئی بھی انسان اپنے مقاصد کی جو وضاحت خود کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے کے لیے محال ہے۔ دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت سیّد صاحب کے مقصد اصلی کے بارے میں دیگر مورخین کی طرف رجوع کرنے کی بجائے خود حضرت سیّد صاحب ہی سے دریافت کر لیا جاتا۔ تاکہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن تھا کہ تلاش حق مقصود ہوتی۔ مگر یہاں تو تعصب بالخصوص ہٹ دھرمی اور مخالفت ہی کی بنیاد پر سب کام ہو رہے ہیں اور انہیں تلاش حق کب مقصود ہے۔

حضرت سیّد صاحبؒ کے مقصدِ اصلی کی وضاحت کے لیے ان کے اپنے مکاتیب سے بڑھ کر کون سی بڑی شہادت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سلطان ہرات، راجہ ہندو راؤ اور دیگر حاکموں اور سرداروں کے نام جو مکتوبات حضرت سیّد صاحب نے ارسال فرمائے ان میں یہ صراحت موجود ہے کہ

پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہان کے تاجدار، اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت وحرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔ جو حکومت وسیاست کے مردِ میدان تھے وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے، اور محض اللہ تعالےٰ کے دین کی خدمت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے الخ

(بحوالۂ تاریخ مشائخ چشت ص۲۲۹)

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت سید صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

(سکھوں پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد) پھر میں مجاہدین کو لے کر ہندوستان کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ تاکہ وہاں سے اہل کفر و طغیان (انگریز) کو ختم کیا جا سکے اور میرا اصل مقصود ہندوستان پر جہاد ہے۔

(مکاتیب سید صاحبؒ بحوالہ جماعت مجاہدین ص۴۸ از مولانا مہرؒ)

ریاست گوالیار کے ایک مسلمان عہدہ دار غلام حیدر خان کے نام ایک مکتوب میں حضرت سید صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ایسی صورت میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سردار والا قدر راجہ ہندو راؤ کے یہ مضمون ذہن نشین کریں کہ ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور انہوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے۔ ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کرکے بیٹھ گئے۔ اس لیے چند کمزور، بے حقیقت اشخاص نے اس کام کا بیڑا اٹھایا الخ (مجموعہ خطوط قلمی ص۱۲ بحوالہ نقش حیات ص۴۲۱/۲ از مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

ان مذکورہ مکاتیب سے حضرت سید صاحبؒ کے مقاصد اور عزائم کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے کی طرف حضرت سید صاحبؒ کے عزائم معلوم کرنے کے لیے رجوع کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ نامور مؤرخ جناب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامیؒ فرماتے ہیں کہ

حد یہ ہے کہ حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ جن کی تحریک عموماً صرف سکھوں کی مخالفت کے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے۔ غیر ملکی اقتدار (برطانیہ) کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں سے تعاون اور اشتراک عمل کے کوشاں تھے۔ (تاریخ مشائخ چشت ص۲۲۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ

واقعات نے بتلا دیا تھا کہ ہندوستان کے موجودہ حکام و امراء میں اب کسی میں طاقت بہ نسبتی غیر مسلم ظالم قوم کے مقابلہ اور دفع کرنے کی ایسی نہیں رہی جس پر اطمینان

کیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو احوال پر غور کرنا اور آزادی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا انہیں ضروری ہے جو کہ ہر دار الحرب کے باشندوں پر لازم ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سے (مجاہدین کی) جدوجہد شروع ہوئی۔ جو کہ سکھوں سے مقابلے کے نام سے مشہور کی گئی۔ اس زمانہ میں مغربی پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی جو کہ انگریزوں کے حلیف تھے۔ اور آپس میں (انگریزوں اور راجہ رنجیت سنگھ میں) زوردار معاہدے کیے ہوئے تھے۔ مگر حقیقت میں سکھوں سے لڑنے کا مقصد اصلی ان بدیشیوں (انگریزوں) اور ان کے معاونین سے لڑ کر ملک کو ان کی حکومت سے بچانا تھا اور رعایا پر سے ان کے وحشیانہ مظالم کو اٹھا دینا اور بس۔ (نقش حیات ج۲ ص۱۴)

حضرت سید صاحبؒ کے ان مذکورہ بالا واضح مکاتیب کے علاوہ درج ذیل حقائق بھی اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ حضرت سید صاحب کا مقصدِ اصلی انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔

۱۔ حضرت سید صاحب کی اس تحریکِ جہاد کی بنیاد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا وہ فتویٰ تھی جس میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا گیا تھا۔ اور ہندوستان کو دار الحرب انگریزی اقتدار کی وجہ سے قرار دیا گیا تھا۔ نہ کہ خالصہ اقتدار کی وجہ سے۔ اور جب تحریک کی بنیاد ہی وہ فتویٰ قرار پائی تو مقصد اصلی بھی فرنگی اقتدار کے خاتمہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ نامور شارح اقبال جناب اعجاز الحق صاحب قدوسی رقمطراز ہیں کہ

اس (ہندوستان کے دار الحرب قرار دیئے جانے کے) فتویٰ کے بعد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی راہنمائی میں جن علماء نے حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی سیاسی، علمی، مذہبی، تعلیمی تحریک میں حصہ لیا جس کی شمع شاہ ولی اللہؒ نے روشن کی تھی ان میں شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبد القادرؒ، شاہ عبد الغنیؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، شاہ عبد الحیٔؒ اور سید احمد شہیدؒ مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ اور شاہ غلام علیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ وہ علماء ہیں، جو سرزمین ہندوستان کے افق پر بدرِ کامل بن کر طلوع ہوئے۔ اور ان کا نام حریت پسندی، مدافعی جدوجہد، سیاسی، مذہبی اور قومی خدمات کی وجہ سے ہماری تاریخ میں ہمیشہ درخشاں و تاباں رہے گا۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند ص۴۴)

اور پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ سکھوں سے جہاد کرنے کی بنیادی تین وجوہات تھیں۔

اوّل :۔ پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات دلانا۔

دوم :۔ سکھ چونکہ انگریزوں کے حلیف تھے اس لیے اصل دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے اس کے حلیف کو ختم کر کے اصل دشمن کی طاقت کو کمزور کرنا۔

سوم :۔ مجاہدین کے لیے مرکز جہاد مہیا کرنا۔ جس کے لیے شمال مغربی سرحدی علاقہ سے زیادہ حفاظتی مقام کوئی نہیں تھا۔

۲۔ حضرت سید صاحب تقریباً چھ سال تک نواب امیر علی خانؒ کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ اور جب نواب امیر علی نے حضرت سید صاحبؒ کی رائے کے برخلاف انگریزوں سے صلح کر لی۔ تو حضرت سید صاحب اس سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی سرپرستی میں مجاہدین کی ایک نئی جماعت تشکیل دیدی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۲۲۹/ ج۲)

۳۔ مشہور انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کا حوالہ گذر چکا ہے۔ جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت سید صاحب کا اصل مقصد انگریزی اقتدار کو ختم کرنا تھا۔

۴۔ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس ۱۵۰ سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا۔ واقعہ بالاکوٹ سے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ ترجمہ اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لیے ایک سبق ہے۔

(شاہ ولی اللہؒ کی سیاسی تحریک ص۱۴۳ از مولانا سندھیؒ)

یہ واقعہ بھی اس حقیقت کو کافی حد تک واضح کر رہا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کا مقصد اصلی انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔ کیونکہ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست اس کے بعد حافظ رحمت اللہ خانؒ کی شہادت اور پھر ۱۷۹۹ء کی جنگ میسور میں سلطان فتح علی ٹیپو شہیدؒ

کی شہادت کے بعد انگریزوں کو تجارت کا لبادہ اتار کر حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر معرکہ بالاکوٹ کے فوراً بعد انگریزوں کی یہ کاروائی واضح طور پر اس بات کی خبر دیتی ہے کہ انگریز مجاہدین بالاکوٹ کے اصل عزائم سے آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے مجاہدین کو وہابیت کے نام سے منسوب کر کے مسلمانوں کو ان کے خلاف کر دیا۔ اور ان مجاہدین کی شہادت کے بعد انگریزوں نے اپنے زعم میں اس تحریک کو اپنے خلاف اٹھنے والی آخری تحریک سمجھ کر فوراً تجارت کا لبادہ اتار دیا اور اقتدار دہلی پر قبضہ کر لیا۔

۵۔ مگر ان تمام شہادتوں سے بڑھ کر حضرت سید صاحبؒ کے مقصد اصلی (انگریزوں سے جہاد) کو واضح کرنے والی شہادت حضرت سید صاحبؒ کے خلفاء و مریدین کا تقریباً ۱۸۸۲ء تک انگریزوں کے خلاف برسرپیکار رہنا ہے۔ کیونکہ اگر سید صاحبؒ کا مقصد صرف انگریزی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے سکھوں سے جہاد ہوتا تو سکھ حکومت کا خاتمہ تو ۱۸۴۶ء میں ہو چکا تھا۔ اور ۱۸۴۹ء میں مکمل طور پر اس کا الحاق اقتدار دہلی سے ہو چکا تھا۔ تو اس الحاق کے بعد حضرت سید صاحبؒ کے خلفاء و مریدین کی سرگرمیاں ختم ہو جانی چاہیے تھیں۔ کیونکہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا مگر اس الحاق کے تقریباً ۲۲ سال بعد تک یہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف رہے اور اقتدار برطانیہ کے خلاف جہاد کے جرم میں حضرت سید صاحبؒ کے خلفاء و مریدین اور ان کی قیادت میں انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہدین کے خلاف اقتدار برطانیہ کی طرف سے قائم کیے جانے والے مقدمات کی ایک ہلکی سی جھلک بھی ملاحظہ فرمایئے۔ تاکہ ان مجاہدین کے مقاصد اصلیہ کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں آسانی ہو۔

پہلا مقدمہ: ۱۸۶۴ء میں ان مجاہدین کے خلاف پہلا مقدمہ سازش انبالہ میں قائم ہوا جس میں مولانا یحییٰ علی صادق پوری (جو پٹنہ میں حضرت سید صاحبؒ کی جماعت مجاہدین کے امیر تھے)

(کاروان ایمان و عزیمت ص ۵۲)

مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ اور مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ وغیرہ مجاہدین کو پہلے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ مگر جب ان مجاہدین نے سزائے موت کو اپنے لیے سعادت سمجھتے ہوئے اس پر انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور ان کی زبانِ حال پر یہ اشعار جاری تھے ؎

آنا پیغام دردِ دل کا کہنا — جب صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آپ آئیں گے — دن بہت انتظار میں گذرے

تو ان کی یہ سزا منسوخ کر کے ان کو ضبطی جائیداد اور عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔

دوسرا مقدمہ: پہلے مقدمہ کے تقریباً ایک سال بعد ۱۸۶۵ء میں دوسرا مقدمہ سازش پٹنہ میں قائم ہوا۔ جس میں مولانا احمد اللہ صاحب صادق پوریؒ (جو حضرت سید صاحبؒ کی تحریک کے نامور رکن اور علمائے صادق پور میں ممتاز و محترم تھے۔ جنگ آزادی ص۸۵ حاشیہ از محمد ایوب قادریؒ) کو ضبطی جائیداد کے علاوہ پہلے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا جو بعد میں بدل کر عبور دریائے شور کی سزا میں تبدیل کر دیا گیا۔ ضبطی جائیداد کے ساتھ ان کا قیمتی کتب خانہ برباد کر دیا گیا۔ آبائی قبرستان کی قبریں تک اکھاڑ کر پھینک دی گئیں۔ حتیٰ کہ ان کے بڑے صاحبزادے حکیم عبدالحمید صاحب عظیم آبادیؒ کا دواخانہ تک ضبط کر لیا گیا۔ اور یہ تمام کاروائی عید کے دن عمل میں آئی (مولانا موصوف نے ۲۱ نومبر ۱۸۸۱ء کو جزیرۂ انڈیمان میں ہی وفات پائی۔ (تحریک آزادی ص۸۵ حاشیہ از محمد ایوب قادریؒ)

تیسرا مقدمہ: دوسرے مقدمہ کے تقریباً پانچ سال بعد ان مجاہدین کے خلاف تیسرا مقدمہ سازش مالدہ میں قائم ہوا جس میں مولانا امیر الدین صاحبؒ (مولانا امیر الدینؒ کے والد رفیق منڈل مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے معتقد اور ان کی تحریک کے خاص رکن تھے۔ جب کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ مولانا ولایت علی صاحب کے خلیفہ تھے اور مولانا ولایت علیؒ صاحب حضرت سید صاحبؒ کے خلیفہ اور ان کی تحریک کے سرگرم راہنما تھے۔ شاندار ماضی ص۱۲۶/۴) کو ضبطی جائیداد کے علاوہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔

چوتھا مقدمہ: اسی سال ۱۸۷۰ء میں ہی مجاہدین کے خلاف چوتھا مقدمہ سازش راج محل میں قائم ہوا۔ جس میں جناب ابراہیم منڈلؒ کو عبور دریائے شور کی سزا سے نوازا گیا۔

پانچواں مقدمہ: پٹنہ میں تیسرے اور چوتھے مقدمہ کے تقریباً ایک سال بعد ۱۸۷۱ء میں مجاہدین کے خلاف پانچواں مقدمہ سازش قائم ہوا جس میں مولانا مبارک علی صاحبؒ (جو مولانا احمد اللہ صاحبؒ

کی گرفتاری کے بعد مرکز صادق پور کے نگران مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۸ء میں گرفتار ہوئے اور ۱۸۷۱ء کے مقدمہ میں ملوث کیے گئے۔ (شاندار ماضی ص ۱۲۰/۴) اور مولانا تبارک علی صاحب (مولانا مبارک علی صاحب کے صاحبزادہ) وغیرہ سات افراد کو عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔ مولانا مبارک علی صاحب اسی اسارت کے دوران شدید قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔

(مقدمات کی یہ فہرست علماء ہند کا شاندار ماضی کی جلد ۴ سے نقل کی گئی ہے۔ بشیر) یہ تمام مقدمات حضرت سید صاحب کی تحریک سے منسلک مجاہدین کے خلاف قائم کیے گئے۔ جو حضرت سید صاحب کی تحریک کے مقاصد اصلی کو سمجھنے میں فیصلہ کن معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

۲۔ تحریک بنگال

۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں، نواب سراج الدولہؒ کی (اس کے غدار وزیر میر جعفر کی غداری کی وجہ سے) انگریزوں سے شکست کے بعد بنگال میں طویل عرصہ تک ایک جمود طاری رہا جسے بالآخر حاجی شریعت اللہؒ اور ان کے بیٹے جناب دودو میاںؒ نے توڑا، اور بنگال میں انگریزوں کے خلاف ایک آگ بھڑکا دی اور ان کے بعد تیتو میرؒ انگریزی اقتدار کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ تیتو میرؒ کون تھا؟ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔

> یہ شخص (تیتو میرؒ) ایک کاشتکار تھا۔ اور ایک زمیندار کے یہاں اس کی شادی ہوئی تھی۔ حضرت سید احمد صاحب کا معتقد تھا۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳۸)

ایک اور مقام پہ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ

> ایک انقلابی جماعت جو فرازی کے نام سے مشہور تھی اور مشرقی اضلاع میں اس کا کافی اثر تھا۔ جس کے سرغنہ نثار علی عرف ٹیٹو میاںؒ نے ۱۸۳۱ء میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے ان کو بھی اس تنظیم (جہاد) میں شامل کر لیا تھا۔
>
> (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۴۵)

ممتاز مورخ مولانا محمد میاں دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

> نثار علی عرف ٹیٹو میاںؒ بنگال میں سید صاحبؒ کی تحریک کے انچارج تھے۔ اور سید صاحبؒ نے ۱۸۳۱ء میں پشاور فتح کیا تھا تو نثار علی صاحبؒ نے کلکتہ کے مشرقی اضلاع میں

علم بغاوت بلند کیا تھا (شاندار ماضی ج۲ ص۲۹ حاشیہ)

نیز فرماتے ہیں کہ

یہاں تک کہ ایک طرف شمال مغرب میں سید صاحب کی حکومت پشاور میں قائم ہوئی اور دوسری جانب شمال مشرق میں سید صاحبؒ کے معتقد خاص نثار علیؒ نے بنگال میں تحریک شروع کر دی جس نے چند ماہ بعد ایک منظم بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔

(ایضاً ج۲ ص۲۲)

خود ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ

۱۹۳۰ء میں جب مجاہدین سرحد نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو ٹیٹو میاںؒ اس قدر بے دھڑک ہو گیا کہ اس نے اپنا نقاب اتار پھینکا اور کسانوں کی پُرجوش بغاوت کا سرغنہ بن بیٹھا۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۶۹)

نیز مسٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ

سب سے اوّل شمالی ہند کے مسلمان (مجاہدین بالاکوٹ) علماء نے حکومت کے خلاف جہاد کرنے کے جواز کا فتویٰ جاری کیا۔ اس کے بعد مسلمانانِ بنگال نے بھی اس مضمون پر ایک رسالہ جاری کیا۔ (مسلمانانِ ہند ص۱)

بنگال میں یہ تحریک چلانے والے نثار علی عرف ٹیٹو میاںؒ (ٹیٹو میر اور ٹیٹو میاں ایک ہی بزرگ کا نام ہے) تھے۔ عین اس وقت کہ جب حضرت سید صاحبؒ نے پشاور فتح کیا۔ ٹیٹو میاںؒ نے بنگال میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور اپنے ساتھی مسکین شاہؒ کے ساتھ مل کر کئی ماہ تک انگریزوں کے خلاف کامیاب جہاد کرتا رہا۔ بالآخر نومبر ۱۸۳۱ء میں (معرکہ بالاکوٹ کے تقریباً ساتھ ماہ بعد) انگریزی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے ٹیٹو میاں شہید ہو گئے۔ اور ان کے ساتھی مسکین شاہؒ کو گرفتار کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ج۲ ص۲۲۵)

(۳) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مختلف محاذ تھے، تحصیل شاملی میں مجاہدین آزادی کا ایک گروہ امیر المؤمنین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی امارت اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قیادت

میں انگریزوں کے خلاف برسرپیکار ہوا، اور تھانہ بھون اور شاملی پر قبضہ کر لیا جو صرف ایک ماہ تک قائم رہا اور تادیر برقرار نہ رہ سکا اور چند ملت فروش، غدار پرستوں اور میر جعفر و میر صادق کے جانشینوں کی روایتی غداری و ضمیر فروشی کی وجہ سے انگریز دوبارہ دہلی اور دیگر مفتوحہ علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس معرکہ جہاد میں۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو امام، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو سپہ سالار افواج۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قاضی، مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور حافظ محمد ضامن کو میمنہ اور میسرہ کے افسر مقرر کیا گیا۔

(سوانح قاسمی ج۲ ص۱۲۷ از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

اس معرکہ میں حافظ محمد ضامنؒ شہید ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ روپوش ہو گئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گرفتار کر لیے گئے، مولانا (گنگوہی) کو سہارنپور کی جیل میں قید کر دیا گیا۔ تین چار یوم کال کوٹھڑی میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے۔ آخر عدالت سے حکم ہوا۔ تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لیے مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جنگی حراست اور پنج تلواروں کے پہرہ میں براستہ دیوبند چند پڑاؤ کر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے، اور حوالات کے اندر بند کر دیے گئے چھ ماہ قید رہے (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی روایت کے مطابق نو ماہ قید رہے۔ بالآخر) آخر کار چھوڑ دیے گئے۔ اور وطن لوٹ آئے۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی کے باغی علماء ص۱۴۳ از مفتی انتظام اللہ شہابی)

اور رہائی کے بعد ساری زندگی انگریز گورنمنٹ کی سی آئی ڈی مولانا کی خفیہ نگرانی کرتی رہی۔

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فرماتے ہیں کہ

انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادی وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی صاحبؒ اور ان سے منسلکین (حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ) نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر (۱۸۵۷ء) کے زمانہ میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحبؒ

نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور خود دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل فرماتے تھے۔
(تاریخ مشائخ چشت ص۲۲۴)

جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم فرماتے ہیں کہ

اسی (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) درمیان میں حافظ محمد ضامن صاحبؒ کے گولی لگی اور وہ شہید ہو گئے آخر میں مجاہدین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ انگریزوں نے قبضہ کرنے کے بعد تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ مولوی محمد منیر نانوتویؒ اور مولانا محمد قاسم (نانوتوی) روپوش ہو گئے۔ حاجی امداد اللہ صاحبؒ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی گرفتار ہوئے اور چھ ماہ جیل میں رہے۔
(جنگ آزادی ص۱۸۱)

دلچسپ حقیقت:۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مجاہدین کی افواج دہلی کا سالار اعلیٰ جنرل بخت خانؒ بھی حضرت سید صاحبؒ کی تحریک جہاد کا ہی ایک رکن تھا۔ کیونکہ وہ حضرت مولانا سرفراز علی صاحبؒ کا مرید تھا۔ اور حضرت مولانا سرفراز علی صاحبؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کے ایک عظیم راہنما تھے۔ (ملاحظہ فرمایئے ایسٹ انڈیا کمپنی کے باغی علماء ص۶۵ اور ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص۱۶۶) گویا کہ ۱۸۵۷ء کی پوری کی پوری تحریک آزادی بھی حضرت سید صاحبؒ کی انقلابی تحریک کے ہاتھوں میں تھی

جنگ آزادی کا والہانہ جذبہ:۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی وقت ختم نہیں ہو گئی تھی بلکہ مجاہدین حریت نے بار بار اس کی کوشش کی۔ چنانچہ مؤرخ فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

(۱) زخم خوردہ حق پرستوں کی باہمت جماعت ہزیمت کا بدلہ چکانے پر اُدھار کھائے بیٹھی تھی وہ نوآبادکاروں کی بالادستی ختم کرنے کے لیے مصروف پیکار تھی اس نے چودہ برس (۱۸۵۷ء تا ۱۸۷۱ء) تک کے عرصہ میں پانچ مرتبہ برطانوی سامراج پر کاری ضربات لگائیں مگر اس کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی آزادی کے ذوقِ جرم کی پاداش میں ان پر مقدمات قائم ہوئے موت کی سزائیں ہوئیں جائدادوں کی ضبطی کا حکم ہوا ہائی کورٹ نے ان کی سزاؤں کو عمر قید میں تبدیل کر کے کالے پانی بھیج دیا انہوں نے زندگی کے باقی ایام یہیں بسر کیے حکومت نے انہیں مسلمانوں کی نظروں

میں مطعون بنانے کے لیے کئی حربے استعمال کیے اپنے ہر مخالف کو وہابی کے نام سے موسوم کیا انبالہ کیس (۱۸۶۴ء) پٹنہ کیس (۱۸۶۵ء) راج محل کیس (۱۸۷۰ء) مالدہ کیس (۱۸۷۱ء) ان پر قائم کیے گئے۔

(۲) ان مقدمات میں ملوث یحییٰ علیؒ، محمد جعفرؒ، محمد شفیعؒ، فرحت حسینؒ، احمد اللہؒ، امیر دینؒ حشمت خانؒ، امیر خانؒ اور دیگر اکابرین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ فرحت حسین تشدّد کی وجہ سے جاں بحق ہو گئے۔

(۳) امر واقعہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج کے خلاف وہابیوں کی جدوجہد بڑی وسیع اور مؤثر تھی اس کا دائرہ کار ڈھاکہ سے پشاور تک پھیلا ہوا تھا مولانا احمد اللہ فیض آبادیؒ نے ۱۸۵۷ء میں نہایت اہم کردار ادا کیا حکومت نے انہیں زندہ یا مُردہ پیش کرنے پر پچاس ہزار (روپے) کا انعام مقرر کیا تھا۔ (تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی۔ از فاروق قریشی، اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

ان حضرات کی جرأت و ہمّت قابلِ رشک تھی جو بزبانِ حال یوں گویا تھے ؎

ڈوب جانا تو کوئی بات نہیں لیکن باعثِ شرم ہے طوفاں سے ہراساں ہونا

قیام دارالعلوم دیوبند:۔ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانانِ برصغیر پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے،

۱۔ تقریباً ستّر ہزار علماء اسلام کو پھانسی کے تختوں کی زینت بنایا گیا۔

۲۔ مجاہدین کو سؤر کی کھالوں میں بند کر کے زندہ جلایا گیا۔

۳۔ مجاہدین کو توپ کی دہانوں سے باندھ کر گولوں سے اڑایا گیا۔

۴۔ کمر کمر تک انہیں زمین کے اندر گاڑھ کر ان پر دہی ڈال کر بھوکے کتے ان پر چھوڑے جنہوں نے نوچ نوچ کے ان کو کھایا۔ (بحوالہ تاریخ جرم وسزا از جانباز مرزا)

گویا بالفاظ بہادر شاہ ظفر مرحوم

ع جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے۔

ان حالات میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ہجرت اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کی سرپرستی مسلمانانِ عالم کے لیے خداوند کائنات کا بہت بڑا انعام ثابت ہوئی، حضرت مولانا کیرانوی نے مکہ مکرمہ میں جامعہ صولتیہ کے نام سے اور حضرت نانوتوی نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے دینی مراکز قائم کر دیئے۔ جو آج تک مسلمانانِ عالم کے قلوب و اذہان کو علمی طور پر سیراب کر رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھتے ہوئے بانی دارالعلوم حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ

دارالعلوم آزادی کی ایک چھاؤنی ہے جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ ہمارے جسم غلام سہی مگر ہماری روح کو آزاد رہنا چاہیئے۔ اس طرح ہم اپنے شاگردوں سے پہلے غیر ملکی غلامی کا خاتمہ کر دیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

نامور مؤرخ جناب طفیل احمد منگلوری مرحوم فرماتے ہیں:

اوّل تو بالعموم تمام عربی مدارس حکومت کی نظروں میں مشتبہ تھے۔ مگر دیوبند کی طرف نظر بالخصوص اس وجہ سے تھی کہ ان کے مدرسوں میں متعدد احباب وہ تھے جن کی نسبت حکام وقت کا یہ خیال تھا کہ انہوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اور وہ مسلمانوں کا مذہبی جوش قائم رکھنے اور سرحد کے لوگوں (مجاہدین) سے تعلقات جاری رکھنے کے لیے یہ مدرسہ قائم کر رہے تھے۔ مدرسہ کے بانیوں میں سے کئی علماء ایسے تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں تحصیل شاملی ضلع مظفر نگر پر قبضہ کر لیا تھا۔ جسے انگریزوں کی فوج نے واپس لے لیا تھا۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۲۰۹)

مشہور مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں کہ

(۱) گذشتہ پچاس سال کے حالات دیکھتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ دیوبند نے قوم کی بڑی مذہبی اور علمی خدمت کی ہے۔ (موجِ کوثر صفحہ ۲۰۹)

(۲) دارالعلوم دیوبند نے بغیر کسی شور و غل (یعنی پروپیگنڈا، بشیر) کے تھوڑی ہی مدت میں جو اعتبار و مرتبہ حاصل کر لیا ہے وہ اس کے منتظمین کی قابلیت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے اور انہیں اس پر فخر کا جائز حق ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۱۰)

(۳) اس کے علاوہ دارالعلوم (دیوبند) کو خوش قسمتی سے ایسے اساتذہ ملے، جنہوں نے قوم کی نظروں میں اس کا وقار بڑھا دیا۔ مثلاً مولانا محمود الحسن محدث، مولانا انور شاہ محدث

اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ یہ لوگ زہد و تقویٰ، راست گوئی، بے ریائی اور بے حرصی میں اسلاف کے بہترین علماء و صلحاء کا نمونہ تھے۔ خود غرضیوں اور کج بحثوں سے قطعاً پاک۔ نتیجہ یہ کہ مخالفین بھی ان کی عزت کرتے۔ (ایضاً ص ۲۰۹)

مصر کے جید عالم دین حضرت علامہ سید رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں۔

میں نے مدرسہ دیوبند میں جس کو ازہر ہند کا خطاب دیا جاتا ہے ایک جدید علمی رجحان ترقی کرتے دیکھا۔ ہندوستان بھر میں میری آنکھوں کو ایسی ٹھنڈک کہیں حاصل نہیں ہوئی جیسی کہ مدرسہ دیوبند میں حاصل ہوئی۔ اور نہ اتنی خوشی کہیں حاصل ہوئی جتنی وہاں اس کی وجہ صرف وہ غیرت و اخلاص ہے جو میں نے اس مدرسہ کے علماء میں دیکھا، اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے بہت غمگین واپس جاتا۔

(بحوالہ الرشید کا دار العلوم دیوبند نمبر ص ۱۳)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں

ہندوستان میں اسلامی تعلیمات کے اس عظیم ترین ادارہ میں نہ صرف یہ کہ اس ملک کے تمام حصوں سے بلکہ بعید ترین علاقوں مثلاً انڈونیشیا، ملایا، افغانستان، وسط ایشیا، اور چین سے طلباء کھینچے چلے آتے ہیں۔ اتنے وسیع رقبہ کے طلباء اور علماء میں اس کی مقبولیت، اس کی عظمت و شہرت کی دلیل ہے۔ اس بناء پہ یہ ادارہ صحیح معنی میں تعلیمات اسلامی کی ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔

(ایضاً ص ۱۳)

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں

جس دیوبندی جماعت کا تعارف ہم کرانا چاہتے ہیں وہ اس دہلوی (یعنی ولی اللٰہی) تحریک جماعت کا دوسرا نام ہے جو مولانا محمد اسحاق دہلوی کی ہجرت کے بعد ان کے متبعین نے ان کی مالی اعانت اور ان کے افکار کی اشاعت کے لیے بنائی تھی۔

(مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۷۵ از پروفیسر محمد سرور)

نامور مؤرخ مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں۔

بزرگانِ دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اوّلین درجۂ احترام واعزاز حاصل ہے وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی اس سرزمین کے آسمان پر درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں، جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندروں میں ملاحوں کو راستے بتاتے ہیں وہ اپنی زندگیوں میں علم وہدایت کے مشعل بردار تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے۔ جو دلوں اور روحوں میں دینِ حق کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ کی تو ایک یادگار، دارالعلوم دیوبند ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے پاک وہند کی وسیع سرزمین میں دینی علوم کے قیام وبقاء کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے۔ اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی مقدس ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین وسیاست دونوں دائروں میں قابلِ فخر ہیں۔ ان بزرگوں نے بھی ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ (اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد صفحہ ۲۵)

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں

دیوبند ایک ضرورت تھی۔ اس سے مقصود تھا ایک روایت کا تسلسل۔ وہ روایت جس سے ہماری تعلیم کا رشتہ ماضی سے قائم ہے۔ (اقبال کے حضور صفحہ ۲۹۲)

(۴) علماء لدھیانہ اور تحریک آزادی

۱۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے پردادا حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کا تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت سے تھا۔

(جنگ آزادی صفحہ ۵۸۷ از محمد ایوب قادریؒ)

۲۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں مولوی عبدالقادر لدھیانویؒ نے مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں ان کے بڑے بھائی اور چاروں فرزندان مولوی سیف الرحمٰنؒ، مولوی محمدؒ، مولوی عبداللہؒ اور مولوی عبدالعزیزؒ شریک رہے مولوی عبدالقادرؒ کی قیادت اور ان کے خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ تحریک کا خاص مرکز بن گیا۔ (ایضاً صفحہ ۵۸۸)

۳- پنجاب میں سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ نے دیا۔ اور لدھیانہ میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔
(رئیس الاحرار ص۲۸ از عزیز الرحمٰن جامعی)

۴- حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران اپنے چاروں بیٹوں کے ہمراہ مسلمان مجاہدین کے فوجی دستوں کو لے کر انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے دہلی پہنچے۔ (ایضاً ص۵)

۵- گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ اور ان کے بیٹوں کی گرفتاری کے لیے ایک لاکھ روپے انعام مقرر کیا گیا۔ (ایضاً ص۶)

۶- خاندان لدھیانہ کی تمام املاک حتیٰ کہ مساجد تک نیلام کر دی گئیں۔ (ایضاً ص۱۰)

۷- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے عہد برطانیہ میں اپنی ۵۴ برس کی عمر میں ساڑھے دس سال قید خانے میں گذارے۔ (ایضاً ص۲۱)

۸- مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی۔ ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ آپ اعلیٰ عہدہ قبول کر لیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقہ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں نے سرگرم حصہ لیا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء ص۱۱۹)

۹- مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے جب انگریز کے اشارہ پر مجدد، مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا تو سب سے پہلے (۱۸۸۴ء میں) اس پر کفر کا فتویٰ علماء لدھیانہ نے دیا۔
(فتاوٰی قادریہ ص۳)

۱۰- انگریز کے اشارہ پر جب برصغیر کے غیر مقلدین نے چند فروعی مسائل کی آڑ میں برصغیر کی مساجد اسلامیہ میں فتنے برپا کیے۔ تقلید کو شرک، ائمہ مجتہدینؒ کو کافر اور مقلدین کو مشرک قرار دیا گیا تو ان کے اس فتنے کے سدباب کے لیے سب سے پہلے حضرت مولانا محمد لدھیانوی نے قلم اٹھایا اور انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد کے نام سے رسالہ تحریر فرمایا جس پر جید علماء نے دستخط کیے۔ (فتاوٰی قادریہ ص۵۲)

لاہور ... جدوجہد آزادی کے لیے برصغیر کی مختلف اقوام کی مشترکہ جدوجہد کے لیے ۱۸۸۸ء میں علماء لدھیانہ نے کانگریس میں شرکت کے جواز کا فتویٰ جاری کیا جس پر دیگر سینکڑوں علماء کے علاوہ بریلوی جماعت کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے بھی دستخط موجود ہیں یہ فتویٰ نصرۃ الابرار کے نام سے طبع ہو چکا ہے لیکن بعد کو جب انہیں ولی نعمت کی ناراضگی کا احساس ہوا تو افتاد طبع سے مجبور ہو کر چند سال میں اکثریت پسند لوگوں کے خلاف ان کی باتیں بھی بڑھا کر ڈالیں سے

آئے تو یوں کہ جیسے ہمیشہ تھے مہربان
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے

دور حاضر کے مؤرخ جناب عارف قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا جنگ آزادی میں کردار سب کو معلوم ہے انہیں انگریز دشمنی وراثت میں ملی تھی ان کا تعلق علماء لدھیانہ کے اس خانوادہ کے ساتھ ہے جس کی کئی پشتیں برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کرتی رہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ میں اس خاندان کے مولانا عبدالقادر لدھیانوی لشکر لے کر بہادر شاہ ظفر کی مدد کو دہلی پہنچے تھے۔ برطانوی سامراج کے ہندوستانی فرزندوں نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو ازروئے اسلام ناجائز قرار دیا تو علی محمد کھیم جی کے استفسار پر ہندوستان بھر کے پانچ صد علماء حق نے کانگریس میں شمولیت کو ازروئے اسلام جائز ٹھہرایا تھا یہ فتویٰ بعد میں نصرۃ الابرار کے نام سے (اخبار میں کاتب نے غلطی سے نصرۃ الابرار لکھا ہے۔ بشیر) ایک کتابچہ کی صورت میں طبع ہوا تھا۔ اس کی ترتیب و تدوین کا کام علماء لدھیانہ کے مولانا شاہ محمد لدھیانویؒ اور مولانا شاہ عبدالعزیز لدھیانوی (بشیر) نے کیا تھا آپ رشتہ میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے دادا تھے اس فتویٰ پر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے علاوہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے خادم اور مسجد نبوی کے امام کے دستخط بھی ثبت ہیں اس فتویٰ کو کانگریس کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے تمام مؤرخین

نے اس کا ذکر کیا ہے ہندوستان کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی تصانیف ہندوستان کی سیاسی تاریخ اور ہندوستان کا مستقبل میں اسے بطور خاص شامل کیا ہے

(مضمون تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی۔

فاروق قریشی۔ اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

شاید خان صاحب نے اس کو بھی عام فتووں کی طرح ایک فتویٰ سمجھا ہو مگر اس کے مضمرات اور نتائج انتہائی خطرناک تھے ان کا سامنا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی اس لیے جلدی ہی انہوں نے اپنا رُخ بدل لیا اور اس پر عمل کیا ۔

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(۹) تحریکِ ریشمی رومال

برصغیر سے انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے ایک خفیہ انقلابی تحریک کا آغاز کیا جو تاریخ میں تحریکِ ریشمی رومال کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ جس میں مسلمان اور ہندو دونوں شریک ہوئے۔ مصر، حجاز، ترکی اور ہندوستان کی ممتاز شخصیات اس میں شامل تھیں۔ خلافتِ عثمانیہ ترکی اور حکومتِ افغانستان سے خفیہ معاہدے ہوئے۔ متوازی گورنمنٹ قائم کی گئی۔ اور جنود ربانیہ کے نام سے فوج تشکیل دی گئی۔

اس فوج کا ہیڈ کوارٹر مدینہ (منورہ) مقرر کیا گیا تھا۔ عبید اللہ سندھی جرنیل مقرر کیے گئے تھے۔ اس فوج کے تین معاون اور بارہ ۱۲ فیلڈ مارشل تھے اور محمود الحسن کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن محمود الحسن جنگ کے دوران ہی گرفتار کر لیے گئے اور ایک مدت تک مالٹا کے علاقہ میں ایک پنجرے کے اندر قید رکھے گئے۔ اس طرح یہ تمام سکیم ناکام ہو کر رہ گئی۔

(تحریکِ آزادی ص ۸۱ از ڈیکارام سخن)

مالٹا کی اس اسارت میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عزیز گل مدظلہ اور مولانا نصرت حسین شہید بھی حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ تھے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں جناب چوہدری خلیق الزمان مرحوم

کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس اسارت کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کے بدن کو گرم سلاخوں سے داغا جاتا۔ اور انہیں تحریک آزادی سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ مگر شیخ الہندؒ نے ان تمام مصائب کے باوجود اپنے موقف آزادی میں کوئی لچک پیدا نہ کی۔ ان مصائب کا انکشاف حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد مولانا مدنیؒ نے کیا۔

(علماء حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں ص۵۵ از مفتی انتظام اللہ شہابی)

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فرماتے ہیں

آزادیٔ وطن کے جس جذبہ نے حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ وہ اور ان کے رفقا اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب کا سامنا کیا تاریخ ہند کا کوئی دیانتدار مورخ ان کو جھٹلا نہ سکے گا۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۳۴)

کسی نے حضرت شیخ الہندؒ کے بارے میں کیا ہی خوب کہا ہے۔

انہوں نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں

سرفروشوں کے لیے دار و رسن قائم تھے
خانزادوں کے لیے مفت کی جاگیریں تھیں

حضرت شیخ الہندؒ کی اسی تحریک کے بارے میں کہا گیا کہ

اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو سمندر بھی انگریز کو پناہ نہ دیتے۔

ان حضرات کے استقلال و ہمت پر قربان کہ انہوں نے آنے والی نسلوں کو عزم و استقلال کا سبق دیا۔

حادثاتِ وقت نے کتنا بدل ڈالا مزاج
خار کی آغوش میں بھی خندہ زن رہتے ہیں پھول

ریشمی رومال خطوط سازش کیس انڈیا آفس لندن کے خفیہ ریکارڈ کی ایک جھلک

تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں انڈیا آفس لندن میں جو ریکارڈ موجود ہے حضرت مولانا محمد میاں دہلویؒ نے وہ ریکارڈ لندن سے حاصل کر کے ریشمی رومال خطوط سازش کیس کے نام سے طبع کرا دیا ہے۔ جو پاکستان میں مکتبہ رشیدیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کے ضخیم مواد سے ایک ہلکی سی جھلک قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جن مجاہدین کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے کی سر توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں وہ اپنے دشمن (انگریز) کی خفیہ رپورٹوں میں کیا تھے؟ ان رپورٹوں میں جن مشہور شخصیتوں کا ذکر ہے ان میں

۱۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (ریشمی رومال خطوط سازش کیس ص ۴۳۷)

۲۔ اور پیر کامل حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کا ذکر بھی ہے (ایضاً ص ۴۶۹)

۳۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ۔

دہلی کا باشندہ ہے۔ لیکن تعلیم عرب میں پائی ہے۔ انتہا درجہ میں اتحاد اسلامی کا حامی ہے نہایت کٹر انگریز دشمن ہے۔ بے حد متعصب ہے۔ دیوبند کی سازش جہاد کا نہایت سرگرم رکن ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ (ص ۳۸۹)

۴۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ۔

اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ المعارف (دہلی) میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ (ص ۳۹۱)

۵۔ پیر طریقت حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ۔

ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کیا گیا۔ کچھ عرصہ تک سے جالندھر کے گاؤں نور محل میں پابند رکھا گیا تھا۔ اب وہ بہاولپور کے مقام دین پور میں ہے جہاں اس کی نقل و حرکت پہ پابندی ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔

(ص ۴۲۳)

۶۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مولانا محمود الحسن کا ایک مرید، اور جہاد کا زبردست مبلغ ہے۔ شریف مکہ کے حکم سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو مکہ میں اسے گرفتار کیا گیا تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ (ص ۴۳۳)

۷۔ ازہر ہند۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند۔

ریشمی رومال خطوط سازش کیس میں جو مولوی شامل ہیں تقریباً وہ سب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ یہ مدرسہ اتحادِ اسلامی اور جہاد کے حامیوں کا گڑھ ہے۔ اور مولانا محمود الحسن نے اپنے زمانۂ صدر مدرسی میں جہاد کی جو تحریک شروع کی تھی اس کا مرکز بن گیا ہے۔ (ص ۴۴)

۸۔ شیخ الہند۔ اسیر مالٹا حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ۔

ہندوستان میں اتحادِ اسلامی کی سازش میں مولانا کی قائدانہ شخصیت بڑی سرکردہ ہے جنودِ ربانیہ کی فہرست میں جنرل ہیں۔ (ص ۴۴۲)

۹۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ

جنودِ ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ دلی کے اخبار "کامریڈ" کا بدنام ایڈیٹر ہے۔ اتحادِ اسلامی کا آتش بیان حامی ہے۔ ترکوں سے زبردست ہمدردی رکھتا ہے۔ (ص ۴۵)

۱۰۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ

مدرسہ دیوبند کے ایک استاد کشمیری اور نامور عالم ہیں۔ دیوبند میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں انہوں نے ہلالِ احمر کے لیے چندہ جمع کرنے میں جمعیۃ الانصار کی بڑی سرگرمی سے مدد کی۔ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے بھی حامی تھے الخ (ص ۴۱۵)

۱۱۔ امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔

اس نے ریشمی رومال خطوط پر دستخط کیے ہیں۔ پہلے سکھ تھا۔ اس کا اصل نام بوٹا سنگھ ہے۔ اوائل عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جنودِ ربانیہ کی فہرست میں کابل میں قائم مقام

سالار ہے۔ (ص ٤٦٦)

۱۲۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔

بڑا فاضل مولوی ہے۔ اس نے ترکی کی امداد کے لیے چندہ جمع کرنے میں جنگ بلقان کے دوران بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور اسلامی سیاست میں زبردست دلچسپی لیتا ہے۔ مولانا محمود الحسن کی جہاد کی اسکیم کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے (ص ٤٧٦)

۱۳۔ امام الاولیاء حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ۔

سندھ میں دو سرے نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے۔ کارڈر میں نظر بند ہے۔ اس نے مولوی عبید اللہ (سندھی) کے فرار افغانستان میں اسکی مدد کی تھی۔ اس کے ہزاروں پیرو ہیں۔ جن میں بڑے بڑے زمیندار پلیڈر۔ اور سرکاری ملازمین شامل ہیں۔
جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ (ص ٤٨١)

۱۴۔ مجاہد حریت حضرت مولانا محمد صادق صاحب سندھیؒ۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ (ص ٤٥٧)

۱۵۔ اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گُل مدظلہ۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل دکھایا گیا ہے (ص ٤١٦)

جمعیۃ العلماء ہند کا قیام:۔

علماء کی اجتماعی جدوجہد کے لیے کسی تنظیم کا قیام ناگزیر تھا۔ چنانچہ اس ضرورت کے تحت ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے پہلے اجلاس (منعقدہ امرتسر) کی صدارت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے کی۔ جمعیۃ العلماء کا قیام ان درج ذیل اغراض ومقاصد کی بنیاد پر عمل میں آیا۔

۱۔ اسلام، شعائر اسلام اور مسلمانوں کے مآثر و معابد کی حفاظت۔

۲۔ مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی۔ تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل وحفاظت

۳۔ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح۔

۴۔ ایسے اداروں کا قیام جو مسلمانوں کی تعلیمی۔ تہذیبی اور معاشرتی (سوشل) زندگی کی ترقی واستحکام کا ذریعہ ہوں۔

۵۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔

۶۔ علوم عربیہ و اسلامیہ کا احیاء اور زمانہ حال کے مقتضیات کے مطابق نظام تعلیم کا اجراء

۷۔ تعلیماتِ اسلامی کی نشر و اشاعت

۸۔ اسلامی اوقاف کی تنظیم و حفاظت

(بحوالہ جمعیۃ علماء ہند ص ۴۸ تا ص ۵۰ از مس پروین روزینہ)

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کو جمعیۃ کا صدر اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ جمعیۃ العلماء نے مسلمانانِ ہند کے حقوق کے تحفظ اور آزادیٔ وطن کے لیے اپنی جدوجہد شروع کر دی۔ ۱۹۲۰ء کے اجلاس دہلی (جو شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی صدارت میں منعقد ہوا) میں جمعیۃ کی طرف سے ترکِ موالات کا یہ فتویٰ جاری کیا گیا کہ

مسلمانوں کے لیے ایسی ملازمت جس میں دشمنانِ دین (انگریز) کی اعانت و امداد ہو۔ اور اپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے قطعاً حرام ہے۔

اس فتویٰ پر چار سو چوہتر ۴۷۴ علماء نے دستخط کیے۔ اس فتویٰ کے بعد خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء نے ترک موالات کی تحریک شروع کر دی۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ کا یہ فتویٰ ضبط کر لیا گیا مگر جمعیۃ نے قانون شکنی کر کے بار بار اسے شائع کیا۔ ۱۹۲۵ء میں جمعیۃ نے دہلی سے روزنامہ الجمعیۃ جاری کیا جس نے تحریک آزادی میں ایک بھرپور کردار ادا کیا۔ ہندوستان کی کامل آزادی کا مطالبہ بھی سب سے پہلے جمعیۃ العلماء نے کیا۔ جب کہ اس وقت مختلف تنظیمیں اور افراد اس ذہن کے ساتھ کام کر رہے تھے کہ

ع مجھ کو مل جائے چہکنے کے لیے شاخ مری   کون کہتا ہے کہ گلشن میں نہ صیاد رہے

(۶) تحریکِ خلافت و ترکِ موالات

تحریک خلافت کی ہلکی سی جھلک گزشتہ اوراق میں جناب چوہدری خلیق الزماں مرحوم کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ جب فرنگی اقتدار نے ترکی کی خلافتِ اسلامیہ کے خاتمہ کے لیے گورنر حجاز شریف حسین مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر محاذ قائم کر لیا تو ہندوستان کے مسلمان خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے اقتدارِ برطانیہ کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تحریک پر ملک بھر

کے تقریباً پانچ سو ۵۰۰ جید علماء نے خلافت ترکیہ کی حمایت اور مقامات مقدسہ (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ وغیرہا) کے تحفظ کے لیے فتویٰ جاری کر دیا۔

چونکہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے لیے خالص ایک مذہبی مسئلہ تھا۔ اس لیے ہندوؤں سے اس مسئلہ میں تعاون کی امید نہ تھی۔ چنانچہ خلافت کی اس تحریک کو مزید مضبوط کرنے اور ہندوؤں کو اس تحریک میں شریک کرنے کے لیے جمعیۃ العلماء ہند نے انتہائی حکمت عملی کے ساتھ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی تحریک پر ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں انگریزوں کے ساتھ ترک موالات کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ فیصلہ یہ تھا کہ

موجودہ حالات میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں۔ جس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں۔

۱۔ خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا۔

۲۔ کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کے لیے رائے نہ دینا

۳۔ دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا۔

۴۔ دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ دینا وغیرہ۔

اس فتویٰ اور فیصلے کے ساتھ ہی تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات ایک ساتھ شروع ہو گئیں اور ان میں مسلمان و ہندو برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ ہزاروں علماء اور کارکن گرفتار ہوئے مگر تین مقدمات بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ مقدمہ کراچی

اس تحریک کے دوران کراچی کے خالق دینا ہال کا مشہور مقدمہ بغاوت قائم ہوا۔ جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کفن ساتھ لے کر پیش ہوئے۔ مگر اس مقدمہ کے مجرموں حضرت مولانا مدنیؒ اور حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ وغیرہ کو دو۲ - دو۲ سال کی نظر بندی کی سزا ہوئی۔ (مقدمات و بیانات اکابر ص ۲۲۸)

اس قدر سنگین جرم کی اتنی ہلکی سزا پر حضرت مولانا جوہرؒ بے ساختہ پکار اٹھے۔ ؎

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اور حضرت مولانا مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ

کھلونا جان کر نہ ہمیں توڑ دینا — ہم بھی کسی کے ناز سے اٹھے ہیں

فرنگی کی فوجوں میں حسرت ہے فوج سے — سرِ دار چڑھ کر بھی گاتے اٹھے ہیں

نیز فرمایا کرتے تھے

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل — شہید ناز کی تربت کہاں ہے

جناب مؤرخ فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں

مقدمہ کراچی تاریخ آزادی کے اہم واقعات میں شمار ہوتا ہے اس دور کے مجاہدین، (علی برادران) وغیرہ کے علاوہ مولانا حسین احمد مدنیؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، پیر غلام مجدد، مولوی نثار (وغیرہ) ملزم تھے۔ اس مشہور مقدمہ کی سماعت کراچی کے خالق دینا ہال میں ہوئی۔ (تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی، از فاروق قریشی۔ اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

٢۔ مقدمہ کلکتہ:۔

اس تحریک کا دوسرا مقدمہ بغاوت کلکتہ میں قائم ہوا جس میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کو (خلافِ توقع) ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ (ایضاً ص ۲۵۱)

اس قدر سنگین جرم کی پاداش میں اس قدر ہلکی سزا پر حضرت مولانا آزادؒ کی بیوی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

میرے شوہر مولانا ابوالکلام آزادؒ کے مقدمہ کا فیصلہ آج سنا دیا گیا۔ انہیں صرف ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ یہ نہایت تعجب انگیز طور پر اس سے بدرجہا کم ہے جس کے سننے کے لیے ہم تیار تھے۔ اگر سزا اور قید قومی خدمات کا معاوضہ ہے تو آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ میں بھی ان کے ساتھ سخت ناانصافی برتی گئی ہے۔ یہ اس کم سے کم بھی نہیں ہے جس کے وہ مستحق تھے۔ (ایضاً ص ۲۶۳)

جناب مؤرخ فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں

کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے ہم عصر سیاست دانوں سے پہلے اس وادی پرخار میں

قدم رکھا الہلال کی تحریروں نے گذشتہ صدی کے جمود کو توڑ کر رکھدیا انہوں نے مسلمان نوجوانوں کے جذبات اور خواہشات کی ترجمانی کی اُن کی مُردہ رگوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ (تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار مضمون بالا)

حضرت مولانا آزادؒ فرمایا کرتے تھے کہ

آزادئ ہند کے محل کی تعمیر میں گارے کی جگہ میرا خون اور اینٹوں کی جگہ میری ہڈیاں کام آجائیں تو میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی۔

نیز فرماتے تھے کہ ؎

عشق و آزادی متاعِ زیست کا سامان ہے — عشق میری جان آزادی میرا ایمان ہے
عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی — لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

(۳) مقدمہ امرتسر

اس تحریک کا تیسرا مقدمہ امرتسر میں قائم ہوا۔ جس میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو تین ۳ سال قید کی سزا دیکر میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔

(کاروانِ احرار ص ۱۳۶/۱ از مرزا جانباز)

اس سزا پر حضرت امیر شریعتؒ نے اس طرح اظہارِ حیرت فرمایا کہ

دار کے حقدار کو قیدِ سہ سالہ ملے ؎
ہائے قسمت مُشکل آساں ہوتے ہوتے رہ گئی

(سواطع الالہام ص ۶۹ مجموعۂ کلام حضرت امیر شریعتؒ)

تحریکِ خلافت ایک مذہبی تحریک تھی۔ کیونکہ مسئلہ خلافت خالص ایک مذہبی مسئلہ تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں کہ

مسئلہ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص ۹۴)

مُسلمانوں کی اس مذہبی تحریک میں بعض ہندو بھی ترکِ موالات کی صورت میں برابر کے شریک رہے، لیکن بدقسمتی سے برصغیر میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے نہ صرف اس تحریک کی مخالفت کی بلکہ اس تحریک میں حصہ لینے والے راہنماؤں پر کفر کے فتوے جاری کیے ان لوگوں

کے پیشوا مولوی احمد رضا خان بریلوی تھے، جیسا کہ اوراق گذشتہ میں جناب چوہدری خلیق الزمان مرحوم کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ ؎

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں — کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

لطیفہ :- سلطان عبدالعزیز بن سعودؒ کی حکومت کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں

میں حجاز کی موجودہ صورتِ حالات سے پورے طور پر مطمئن ہوں اور ابن سعود پر بدون تذبذب اعتماد رکھتا ہوں۔ میری رائے میں سلطان نجد ایک روشن خیال آدمی ہے

(اقبال کا ذہنی ارتقاء صفحہ ۱۲۵)

علامہ اقبالؒ اور جمہور اہل اسلام کے برعکس مولوی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کا نظریہ بھی قابل دید ہے مصطفیٰ رضا خانصاحب نے سلطان ابن سعودؒ کے دورِ حکومت میں مسلمانانِ عالم پر فرضیتِ حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ چنانچہ مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم یہ کہتے ہیں اور بجزم و یقین کہتے ہیں کہ آج جب کہ حجاز مقدس میں ابن سعود، نجوس ونا مسعود و مخذول و مطرود و مردود اور اس کے ہمراہیان نامحمود کا نجس ورود ہے۔ اور حسب بیان سائل فاضل ودیگر کثیر حضرات حجاج واقف امان مفقود ہے۔ فرضیت ساقط ہے یا اداء غیر لازم ہے۔

(تنویر الحجہ صفحہ ۹ بحوالہ بریلوی کا فتوے صفحہ ۱۳۴)

؎ تکفیر مسلم ہی ہے جن کا مشغلہ تم دیکھنا
عنقریب انکا بھی اب یوم حساب آجائے گا

تلون مزاجی یا ابن الوقتی :- سلطان ابن سعودؒ کے بارے میں مولوی مصطفیٰ رضا خانصاحب بریلوی کا فتویٰ آپنے ملاحظہ فرمالیا۔ اب خان صاحب کے موجودہ حواریوں کا فیصلہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ حرمین شریفین میں سعودیہ حکومت نے خانصاحب بریلوی کے ترجمہ قرآن (کنز الایمان) اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی کے حواشی (خزائن العرفان) پر ان کی کثیر اغلاط، باطل نظریات اور اہلسنت والجماعت کے مخالف عقائد کی وجہ سے پابندی عائد کر دی سعودیہ حکومت کا یہ ایمان افروز فیصلہ پاک و ہند کے بریلوی حضرات پر بجلی بن کر گرا۔ انہوں نے پاک و ہند کے دیگر شہروں کی طرح بلادِ مقدسہ (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کو بھی (وہاں

فتنہ و فساد مچانے کے لیے) کھلے شہر قرار دینے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مطالبہ حیرت انگیز حد تک مضحکہ خیز تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پاکستان سے ممتاز بریلوی سجادہ نشین خواجہ حمید الدین سیالوی صاحب نے ایک مکتوب سعودیہ حکومت کے حکمران شاہ فہد بن عبدالعزیزؒ کے نام جاری کیا، یہ مکتوب (عربی اور اردو دونوں زبانوں میں) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مکتوب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں۔

> مرحوم و مغفور الملک الفیصل پہلے اسلامی راہنما تھے جنہوں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور ان کی بکھری ہوئی صفوں کو منظم کرنے کی ضرورت کا احساس کیا، انہوں نے عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے بڑی بلند آواز سے یہ فریاد کی۔ اور یہ فریاد ان کے شفیق اور کریم دل کی گہرائیوں سے بلند ہوئی تھی..... صد حیف کہ اس فرمانروا کو اپنی زندگی کا عظیم مقصد پورا کرنے سے پہلے موت کا پیغام آگیا..... اور وہ جانکاہ اور بابرکت کوششیں جو ملک فیصل اور ان کے دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت کرنے والے بھائی نے کیں اور جواب ان کے خلف الرشید جلالۃ الملک فہد بن عبدالعزیز اطال اللہ بقاءہ و ادام سلطنتہ بڑی گرمجوشی سے کر رہے ہیں الخ
>
> (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور اعلیٰحضرت بریلوی نمبر جنوری ۱۹۸۳ء ص ۱۷۵ و ص ۱۷۶)

فرزندِ ارجمند خاں صاحب بریلوی کے شاہ ابنِ سعودؒ پر فتویٰ کفر اور موجودہ بریلوی حضرات کی طرف سے شاہ ابن سعودؒ کی اولاد کے ساتھ اس قدر گہری عقیدت یقیناً قارئین کے لیے باعث تعجب و حیرت ہو گی۔ خواجہ حمید الدین صاحب اور ان کے ہمنوا بریلوی علماء سے ہمارا سوال یہ ہے کہ

۱۔ آپ کے نزدیک سلطان ابن سعودؒ مسلمان تھا یا کافر؟ اور اس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط تھا یا نہیں؟

۲۔ اگر وہ مسلمان تھا (اور یقیناً مسلمان تھا) اور اس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط نہیں تھا تو پھر اسے کافر کہنے والے اور حج ساقط قرار دینے والے اپنے اعلیٰحضرت بریلوی کے فرزند کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ مسلمان پر کفر کا فتویٰ دینے اور ایک فرضِ شرعی کو بلاوجہ ساقط قرار دینے کی وجہ سے وہ مسلمان ہیں یا کافر؟

۳۔ اگر سلطان ابن سعودؒ کافر تھا اور اس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط تھا تو کیا اس کی اولاد نے (جس کی مدح وتعریف میں آپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے) اپنے باپ کے عقائد کفریہ سے رجوع کر لیا ہے کہ جس کی بناء پر آپ انہیں نہ صرف مسلمان بلکہ عالمِ اسلام کا ہمدرد وغمخوار قرار دے رہے ہیں؟

۴۔ اور اگر انہوں نے اپنے باپ کے عقائد ونظریات سے رجوع نہیں کیا (اور یقیناً نہیں کیا) تو کیا آپ اپنے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے مطابق کافر کو مسلمان قرار دینے کی وجہ سے کافر قرار نہیں پائیں گے؟ اور کیا آپ کے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے مطابق ان کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط نہیں تھا؟

۵۔ اور اگر اپنے باپ کے کفریہ عقائد ونظریات (بزعم خانصاحب بریلوی) کو ترک کئے بغیر اور ان سے رجوع کئے بدون وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہیں تو شاہ ابن سعودؒ پر آپ کے اعلیٰ حضرت کا فتویٰ کہیں اس کی انگریز دشمنی کی وجہ سے تو نہیں تھا؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کے پیشِ نظر بریلوی حضرات کی دوغلی پالیسی عوام الناس کے اذہان میں کھٹکتی ہے اور وہ بے ساختہ یہ سوال کر گزرتے ہیں کہ

جن کو دعویٰ ہے کہ سابایا، کو سنوارا ہم نے ان سے پوچھو کہ اجاڑے ہیں گلستاں کس نے؟

(۷) تحریک ختم نبوت

انگریز بہادر نے ہندوستان میں اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے اور مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کو منصبِ نبوت پر بٹھا دیا۔ اور اس سے تنسیخ جہاد کے الہامی (خدائی نہیں بلکہ شیطانی اور برطانوی الہامی) فتوے جاری کرائے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے

۱۸۸۴ء میں مجدد و مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔

۱۸۹۰ء میں مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا

۱۸۹۱ء میں مہدی و مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا

۱۹۰۱ء میں غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا اور جہاد کے منسوخ ہونے کا الہامی حکم سنا دیا۔

اور ۱۹۰۴ء میں مثیلِ کرشن ہونے کا دعویٰ کیا۔

یہ مرزا قادیانی کے تدریجی دعاوی کی ایک جھلک ہے، لیکن قادیانی کے پہلے دعویٰ کے فوراً بعد ہی علماء لدھیانہ نے اس کے سیاسی عزائم کا اندازہ کر کے اس پر کفر کا فتویٰ دیدیا۔ قادیانی پر یہ سب سے پہلا کفر کا فتویٰ تھا۔ اگرچہ ابتداءً بعض علماء نے حقیقتِ حال واضح نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف کیا بلکہ بعض نے مخالفت بھی کی لیکن بعد میں تمام علماء امت کا اس فتویٰ کفر پہ اجماع ہوگیا۔ چنانچہ ایک طرف مرزا قادیانی انگریزی اقتدار کے سائے میں اپنی نبوت کو پروان چڑھا رہا تھا اور دوسری طرف مسلمانانِ برصغیر کے دلوں میں جذبۂ ایمانی سے سرشار ایک تحریک پنپ رہی تھی۔ جس تحریک نے کبھی تو قائدین احرار کو قادیان میں قادیانیت کے خلاف سینہ سپر کر دیا اور کبھی حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے خطیبِ ملت کو پھانسی کے تختہ پہ لٹکانے کے فیصلہ تک پہنچا دیا، کبھی حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ کو پابند سلاسل کروایا اور کبھی حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کو وکیلِ اسلام کی حیثیت سے عدالت بہاولپور میں قادیانیت کے خلاف لا کھڑا کیا۔

اکابرین علماءِ دیوبند کی انہی قربانیوں کے زیرِ اثر حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت نے جنم لیا۔ دس ہزار جانثارانِ ختمِ نبوت شہید ہوئے ہزاروں مجاہدینِ ناموسِ مصطفیٰ گرفتار ہوئے (سیدی و سندی و مرشدی و مولائی حضرت قبلہ والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ اس تحریک میں نو ماہ تک ملتان سنٹرل جیل میں نظر بند رہے۔ اور حضرت عمی مکرم مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مدظلہ چھ ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں نظر بند رہے) لیکن اس وقت کے پاکستانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان (قادیانی) کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ لیکن آنے والے وقت کے لیے اس تحریک نے ایک راہ متعین کر دی۔

چنانچہ ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک ایک بار پھر انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ اور حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں یہ تحریک فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی پارلیمنٹ نے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں (لاہوری اور قادیانی دونوں گروپوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا۔ پارلیمنٹ کا یہ معرکہ بھی مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بڑی جرأت و استقامت سے سر کیا۔ اگر یہ حضرات پارلیمنٹ میں جرأت و استقامت کا مظاہرہ نہ کرتے تو شاید حالات ۱۹۵۳ء سے مختلف نہ ہوتے۔

ربوہ جو پاکستان میں قادیانیوں کا مرکز اور قادیانی اسٹیٹ تھا اور کسی مسلمان کو بلا اجازت اس شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی ۱۹۷۴ء کی تحریک کے نتیجے میں جب اسے کھلا شہر قرار دیا گیا، تو مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے عظیم الشان جمعہ پڑھا کر قادیانیت کے اس مرکز میں ختم نبوت کا پرچم لہرایا۔ اب بفضلہ تعالیٰ اسی شہر میں کئی مراکز ختم نبوت کا پرچار کر رہے ہیں پھر ۱۹۸۳ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے موجودہ امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ کی قیادت میں تیسری مرتبہ تحریک چلی یہ تحریک مسلسل ایک سال جاری رہی، بالآخر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو ایک آرڈیننس جاری کیا جسمیں تحریک کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے قادیانیوں کو مسلمان کہلانے، اذان دینے، اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنے اور اسلامی شعائر کے استعمال کرنے سے روک دیا۔ نیز انکی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران داڑھیاں منڈھوا کر بھاگنے والوں، تحریک سے روپوش ہو کر جان بچانے والوں اور معافیاں مانگ کر رہائی حاصل کرنے والوں کا موجودہ تحریک میں بھی کردار کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ یارسول اللہ کانفرنسوں اور فرقہ وارانہ جلسوں کی آڑ میں تحریک ختم نبوت کو ناکام بنانے اور قادیانیت کو تقویت پہنچانے کی سر توڑ کوششیں ہو رہی ہیں، مگر بحمداللہ تعالیٰ علماء دیوبند فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی میں پہلے بھی پیش پیش رہے ہیں، اور انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی پیش پیش رہیں گے۔ کیونکہ کفر اور قادیانیت دونوں جڑواں بہن بھائی ہیں۔ بقول حضرت مولانا ظفر علی خان مرحوم ؎

قادیانیت سے پوچھا کفر نے تو کون ہے ہنس کے بولی آپ ہی کی دلربا سالی ہوں میں

اور نیز فرمایا ؎

کاٹنا مقصود ہے جس سے شجر اسلام کا قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

اور یہ بھی فرمایا ؎

مسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں کتر کے جیب لے گئے پیغمبری کے نام سے

(۸) تحریک دفاع اسلام

اس تحریک کے ضمن میں تین محاذ تھے۔ اوّل ردّ عیسائیت کا۔ ثانی ردّ آریہ سماج کا۔ اور ثالث تبلیغ اسلام کا کہ مغربیت اشتراکیت اور جہالت کا شکار ہو کر نام کے مسلمان اسلام سے بیزار تھے۔

محاذِ اوّل۔ ردِّ عیسائیت

ہندوستانی باشندوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم ارباب۔ برطانیہ کی طرف سے کافی زور پکڑ چکی تھی۔ اور اس کے لیے عیسائی مشنریوں کو پورے ملک میں پھیلا دیا گیا تھا۔ اربوں روپے کی رقم ان مشنریوں کے اخراجات کے لیے گورنمنٹ برطانیہ برداشت کرتی تھی۔ یورپ سے عیسائی مبلغین ومناظرین کی کھیپ مہیا کی گئی اور قریب تھا کہ عوام الناس کے ایمان عیسائی مشنریوں کی تند وتیز لہروں کی نذر ہو جاتے مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ حضرت مولانا ابو المنصور دہلویؒ اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ جیسے علماء امت عیسائیت کے خلاف میدان عمل میں اتر آئے۔ مناظرے اور مباحثے ہوئے اور ہر محاذ پر عیسائی مناظرین کو ان علماء کے سامنے عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ یورپ کا سب سے بڑا عیسائی مناظر فنڈر ان علماء کے سامنے تادیر نہ ٹھہر سکا اور ملک چھوڑ کر بھاگ گیا (مزید تفصیلات کے لیے سند العلماء سیدی وسندی ومرشدی مولانا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کا جامع رسالہ بانی دار العلوم دیوبند ملاحظہ فرمایئے)

محاذِ ثانی۔ ردِّ آریہ سماج

سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر عیسائیت کے بھرپور حملہ کو دیکھ کر ہندو پنڈتوں کو بھی جوش آیا اور وہ بھی مناظرہ ومباحثہ کے جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر مسلمانوں کے ایمان پر حملہ آور ہو گئے یہ حملہ بھی اس قدر شدید تھا کہ اگر علماء امت اس حملہ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتے تو عوام الناس کے ایمان کی کشتی یقیناً ڈگمگا جاتی۔ لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے شاگردوں نے ایک طرف عیسائیت کا زور توڑا اور دوسری طرف ہندو پنڈتوں کے اٹھائے ہوئے فتنہ کا منہ موڑا۔

محاذِ ثالث۔ تبلیغ اسلام

اسلام جہاں لَا اِلٰہَ کی تعلیم سے معبودانِ باطلہ کی نفی وتردید کرتا ہے وہاں اِلَّا اللّٰہ کے الفاظ سے معبودِ حقیقی کا اثبات بھی کرتا ہے۔ اور نفی واثبات کی یہی کشمکش بعثتِ انبیاء کا بنیادی مقصد ہے اور اس کشمکش کو ختم کر کے پوری نوع انسانی کو معبودانِ باطلہ کے در سے ہٹا کر معبودِ حقیقی کی چوکھٹ پر لانا اسلام کا فلسفہ حیات ہے۔ اسلام کے اسی فلسفہ حیات کے پیش نظر عہدِ حاضر میں عہدِ ماضی کی طرح جہاں لَا کے فلسفہ سے فرقِ باطلہ کی تردید ضروری تھی وہاں اِلَّا کے فلسفہ

سے مسلمانوں کے عقائد واعمال کی پختگی اور غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے تبلیغِ اسلام بھی ناگزیر تھی۔ چنانچہ اس ضرورت کو مبلغِ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے پورا کیا۔ اور تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی۔

یہ تبلیغی جماعت تمام تر فرقہ وارانہ کشیدگیوں سے اپنے دامن کو بچا کر مصروفِ عمل ہوئی۔ اور اس جماعت کی مخلصانہ محنت و کاوش ہی کا اثر و نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں تبلیغی جماعت کے مخلص و بے لوث حضرات دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی علاقہ اس تحریک کے مخلص و بے لوث مبلغین سے خالی نہیں، ہزاروں غیر مسلم اس تحریک کی جدوجہد کے زیرِ اثر دائرۂ اسلام میں اور لاکھوں مسلمان ان مبلغین کے بے لوث کردار کے زیرِ اثر دائرۂ عمل میں داخل ہو چکے ہیں۔ اپنے خرچ پر، کٹھن اور مشکل راستوں کی صعوبتیں برداشت کر کے، سینکڑوں اور ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کو قریہ قریہ، بستی بستی، نگر نگر، شہر شہر اور ملک ملک پہنچانے کا فریضہ ادا کرنے کی یہ مثال تاریخ اسلام میں زمانۂ خیر القرون کے بعد شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ اس تحریک نے گھروں میں شاہانہ زندگی بسر کرنے والے نازک مزاج شہزادوں کے دلوں میں بھی دین کی وہ فکر پیدا کر دی کہ وہ اپنا تمام آرام و سکون قربان کر کے بستر اپنے کندھوں پر اٹھا کر دینِ اسلام کی فکر میں ملکوں ملکوں کی خاک چھاننے لگے۔

اس تحریک کی مخلصانہ کاوشوں کے زیرِ اثر دنیا میں اپنے گھروں میں سینکڑوں اور بیسیوں نوکروں چاکروں پر حکم چلانے والوں کو آٹا گوندھتے، ہنڈیا پکاتے اور جماعت کے لیے کھانا تیار کرتے ہوتے دیکھا گیا۔ دفتروں میں حاکمانہ رعب جھاڑنے والوں کو مخالفین کی گالیاں اور الزام تراشیاں برداشت کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ گویا اس تحریک نے حاکم و محکوم، امیر و غریب اور آقا و غلام کے درمیان اخوتِ اسلامی کا وہ عملی نقشہ دکھا دیا کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

پاکستان میں رائے ونڈ کا سالانہ تبلیغی اجتماع (جو کہ حج کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اسلامی اجتماع ہوتا ہے) اس تحریک کی مخلصانہ محنت و کاوش کا زندہ ثبوت ہے۔ جس میں بغیر کسی اشتہار اور تحریری پروپیگنڈہ کے لاکھوں فرزندانِ توحید ہر سال شریک ہوتے ہیں۔ اس تحریک کی بین الاقوامی اہمیت و حیثیت

بیان کرتے ہوئے جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فرماتے ہیں کہ

باطنی اصلاح و تربیت کے لیے انیسویں[19] صدی کے آخر اور بیسویں[20] صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حاجی صاحب کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ لیکن مولانا تھانوی کی تحریک میں وہ وسعت اور گہرائی نہ پیدا ہو سکی جو مولانا محمد الیاس کی دینی تحریک کو حاصل ہوئی۔

مولانا محمد الیاس، مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا، جس طرح مولانا محمد الیاس نے کیا تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۲۳۴)

مشہور بریلوی روحانی راہنما جناب صاحبزادہ غلام نظام الدین مرولوی فرماتے ہیں

تبلیغی جماعت کی کوششیں بے حد مخلصانہ ہیں۔ لیکن اس کے نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں ہو رہے۔ (ھوالمعظم ص ۹۲)

اس کے نتائج خاطر خواہ کیسے ہوں۔ (بقول خواجہ صاحب) جب کہ بریلوی حضرات کی طرف سے اس کی سرتوڑ مخالفت ہو رہی ہے۔ ان کے بستر اور سامان اٹھا کر مسجدوں سے باہر پھینک دیے جاتے ہیں ان پر وہابیت کے الزام عائد کر کے ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔

افادہ:۔ خواجہ غلام نظام الدین مرولوی بریلوی حضرات کے مشہور روحانی راہنما ہیں۔ مگر اس کے باوجود انصاف پسند بھی ہیں۔ اگرچہ اپنی کتاب (ھوالمعظم) میں متعدد مقامات پر علماء دیوبند کے بعض نظریات پر گرفت بھی کی ہے۔ لیکن ان کے یہ فرمودات قابلِ دید بلکہ قابلِ داد ہیں قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ (مولانا خواجہ ضیاء الدین سیالوی) دارالعلوم دیوبند میں بھی تشریف لے گئے۔ پیر انور شاہ صاحب کاشمیری اس وقت شیخ الحدیث تھے

حضرت سیالویؒ کی آمد پر شاہ صاحبؒ نے گھنٹی بجوا کر طلباء میں چھٹی کا اعلان کیا تاکہ استقبال میں وہ بھی شریک ہو سکیں۔ حضرتؒ کو بیٹھنے کے لیے شاہ صاحبؒ نے اپنی مسند پیش کی۔ حضرتؒ احتراماً اس پر نہ بیٹھے کہ یہ مقام آپ کا ہے۔ چنانچہ مسند خالی پڑی رہی۔ اور شاہ صاحبؒ حضرت کے سامنے مؤدبانہ طور سے دوزانو ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہے۔ پھر شاہ صاحبؒ نے حضرتؒ سے تلقین وارشاد کی التماس کی۔ آپ نے گھنٹہ بھر تقریر فرمائی۔ پھر آپ نے دارالعلوم کے لیے دو سو روپے کا عطیہ دیا۔ شاہ صاحبؒ نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند اور تمام عالمِ اسلام کی کامرانی کے لیے دعا فرمائی ... پس معلوم ہوا کہ اکابرین میں بنیادی اختلافات نہ تھے بلکہ رشتۂ اخوت ومودت فی مابین استوار تھا۔ (ص ۴۰ ر س ۲)

۲۔ بریلوی حضرات نے ہر اذان سے متصل پہلے یا بعد میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کر دیا ہے جس طرح آج معاشرے میں نہ خالص دودھ ملتا ہے نہ خالص گھی اسی طرح خالص اذان سے بھی ہم گئے۔ مطالعہ کی کمی کی وجہ سے میرے پاس کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ البتہ قیاس غالب ہے کہ شیعہ حضرات نے بھی شروع شروع میں اذان کے بعد حضرت شیر خداؓ کی منقبت میں چند جملوں کا اضافہ کیا ہوگا۔ جو بعد میں رفتہ رفتہ مروج ہو کر ان کی اذان کا مستقل حصہ قرار پا لیا۔ اب بریلوی حضرات جس اذان کو رواج دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اس پر ذرا غور فرمائیں! اس دور میں جو بچے پیدا ہوں گے آگے چل کر وہ اس صلوٰۃ وسلام والے اضافی جملوں کو اذان کا لازمی حصہ سمجھیں گے۔ ادھر دوسرے لوگ یہ کہیں گے کہ حضرت بلالؓ تو یہ اذان نہیں کہتے تھے لہٰذا ان کا اضافہ یقیناً بدعت ہے۔ بریلوی صاحبان عام طور سے خود کو پیر پرست ظاہر کرتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی خانقاہوں کا دفاع وہ اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ سیال شریف میں آج تک وہی اذان ہوتی ہے جو حضرت بلالؓ کے نام سے منسوب ہے۔ ۱۶ رمضان ۱۳۹۸ھ بروز منگل میں سیال شریف حاضر تھا۔ ظہر اور عصر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ دونوں وقت میں نے آستانِ شریف پر بلالی اذان ہی سنی۔

بریلویوں کی اس ہٹ دھرمی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں گروہوں میں ذہنی منافرت
بڑھتی جائے گی، حالانکہ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو بنیادی عقائد دونوں گروہوں
کے ایک ہی ہیں۔ میرے ذاتی خیال میں بریلوی حضرات ناموسِ مصطفےٰ ﷺ کی توقیر نہیں کر
رہے بلکہ رسولؐ کی محبت کی بجائے دیوبندیوں کے خلاف، فرقہ وارانہ تعصب کی
پرورش پر زیادہ کوشش و محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ
مذہب میں ایک داخلی انتشار کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اذان کے
معاملہ میں بریلویوں کے اس تصرف کی نہ ہم تحسین کرتے ہیں اور نہ ہی تائید۔

(ص ۴۲ ، ص ۴۳)

۳۔ (مولانا خواجہ غلام سدید الدینؒ مرولوی نے) دورہ شریف ایک سال کی مدت میں
حضرت مولانا سلطان محمود صاحب پپلانوی سے پڑھا۔ حضرت مولانا پپلانوی صاحب
پیر انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کے ہمدرس تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں ذہین ترین
طالب علم شاہ صاحبؒ اور دوسرے نمبر پر مولانا پپلانویؒ شمار ہوتے تھے۔ (ص ۲۹)

۴۔ برصغیر کے مذہبی اور روحانی طبقوں میں پریس کی اہمیت سب سے پہلے اہل دیوبند نے
محسوس کی۔ یہ اُن کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی تھی، ساتھ ہی انہوں نے معاشرہ میں اردو
زبان کے پھیلاؤ کا صحیح اندازہ لگا لیا۔ چنانچہ عوامی استفادہ کے لیے مذہبی مواد کو آسان
اُردو زبان میں پیش کرنے کی تحریک کا آغاز دارالعلوم دیوبند سے ہوا۔ (ص ۱۱۱)

۵۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جب بہشتی زیور کی تالیف کی تو بعض سربرآوردہ علماء و
فضلاء کے پاس تقریظ کے لیے بھیجی تو انہوں نے اُس کا مذاق اڑایا۔ اس وجہ
سے کہ یہ کتاب آسان ترین اُردو زبان میں تھی۔ اور اس میں مُنشیانہ تقسیم کا مرقع و مسجع
اسلوب نہ تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی کتاب مذہبی لٹریچر میں ایک اعلےٰ
پائے کا متن شمار ہوتی ہے۔ (ص ۱۱۲)

لطیفہ: اس مقام پر بریلوی حضرات کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان گجراتی کے ان اشعار کا
ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جس میں انہوں نے دیوبندیوں اور بریلویوں کا فرق بیان فرمایا ہے

آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔ واحسرتا ؎

اہل سنت بہر قرآنی و عرس — دیوبندی بہر تصنیفات و درس
خرچ سنی بر قبور و خانقاہ — خرچ نجدی بر علوم و درس گاہ

(دیوان سالک صفحہ ۵۴ از مفتی احمد یار خان صاحب)

مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی اس دینی تحریک سے کفار و مشرکین اور مبتدعین یکساں طور پر خائف ہیں اور ان کی طرف سے اس خالص دینی تحریک پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ دن بدن شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ لیکن ؎

عرفی تو میندیش ز غوغائے رقیباں — آواز سگاں کم نکند رزق گدا را

(۹) تحریکِ کشمیر

کشمیری مسلمانوں کے لیے اقتدار برطانیہ کے زیر اثر کشمیر کے ہندو راجاؤں کے آمرانہ قوانین کی وجہ سے کشمیری مسلمان ہمیشہ جبر و جفا اور ظلم و استبداد کی چکی میں پستے رہے۔ بالآخر مسلمانوں کے مظلومانہ جذبات اچانک انگڑائی لے کر بیدار ہوئے۔ اور ظلم و استبداد کی زنجیریں توڑنے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ کیونکہ حالات نے مسلمانوں کو یہ سبق دیدیا تھا کہ ؎

زورِ بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے — آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

کشمیری مسلمانوں کے اس بڑھتے ہوئے ہیجان و اضطراب سے گورنمنٹ برطانیہ کو ایک نئی تحریک کا سامنا کرنے کا خدشہ پیدا ہوا۔ تو اس تحریک اور ہیجان کو ختم کرنے کے لیے گورنمنٹ کے خفیہ اشاروں پر ایک کشمیر کمیٹی تشکیل دی گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو اس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا۔ اس کمیٹی میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی شامل تھے۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت مولانا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں احرار کا ایک وفد علامہ اقبال مرحوم سے ملا، اور کہا کہ

کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت کو تسلیم کر لیا ہے؟ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمان قادیانی ہو گئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مجرم ہوں گے۔ نیز قادیانی دوسرے اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے

لہذا آپ ان سے علیحدگی کا اعلان کریں۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مرزا بشیر الدین کو کمیٹی کی صدارت سے الگ کر دیا۔ اور خود اس کی جگہ کمیٹی کی صدارت سنبھال لی۔ (کاروانِ احرار ص ۱۸۲ ج ۱ از جانباز مرزا)

لیکن کشمیر کمیٹی پر قادیانیت کے اثرات بہت گہرے چھا چکے تھے، اور علامہ اقبالؒ کی صدارت بھی ان اثرات کو زائل نہ کر سکی۔ چنانچہ اسی دوران علامہ اقبالؒ نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی تو آپ نے یہ کہہ کر دعوت کو مسترد کر دیا کہ

آپ نے مرزائیوں کی خود ساختہ (کشمیر کمیٹی) کی صدارت قبول کر کے اپنا اسلامی عقیدہ مشکوک کر لیا ہے۔ لہذا آپ جب تک اسے درست نہیں کرتے ہیں آپ کے ہاں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ نے کمیٹی کی صدارت بلکہ رکنیت سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ (ایضاً ص ۳۴۷ ج ۱)

ان واقعات سے علماءِ دیوبند کے جذبۂ ایمانی اور علامہ اقبالؒ کی ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد پنجاب کے زندہ دل مسلمانوں نے مجلس احرارِ اسلام کی قیادت میں اپنے مسلمان کشمیری بھائیوں کی حمایت میں تحریک شروع کر دی۔ چالیس ہزار مسلمان اس تحریک میں گرفتار ہوئے۔ سینکڑوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اور بالآخر کشمیر کی ڈوگرہ حکومت کو مسلمانانِ پنجاب و کشمیر کے جذبۂ ایمانی کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور کشمیری مسلمانوں نے اس آمرانہ نظام سے نجات حاصل کی۔ مگر انگریز کے کاسہ لیسوں کے کان پہ جوں بھی نہ رینگی ۔

دوسروں کے درد کا احساس ہوتا ہے کسے
ہنس دیا کرتے ہیں گل شبنم کو روتا دیکھ کر

تحریک کشمیر مجلس احرارِ اسلام کا ایک ایسا بے مثال کارنامہ ہے جسے کوئی دیانتدار مؤرخ نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ تحریک کشمیر کے علاوہ تحریک مدح صحابہؓ (جو لکھنؤ کے روافض کی تبرا ایجی ٹیشن کے جواب میں چلائی گئی) اور تحریک مسجد شہید گنج لاہور وغیرہ تحریکیں بھی مجلس احرارِ اسلام کا لازوال کارنامہ شمار ہوتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان تحریکات میں انہیں

خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی مگر ع

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں　　　وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

بندہ چندہ بندی کی تحریک

جناب فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں

احرار نے دوسری جنگ عظیم کے چھوٹ پڑنے کے صرف ایک ہفتہ بعد فوجی بھرتی بائیکاٹ "نہ بندہ دیں گے نہ چندہ دیں گے" کا نعرہ بلند کر کے پورے برعظیم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا، انہیں جرأت مندی کی بڑی (بھاری اور) گراں قیمت ادا کرنی پڑی حکومت نے سترائیوں کے تمام عہدے احرار پر آزمائے انہوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی سے جبر و استبداد کا سامنا کیا برطانوی عدالتوں سے انصاف کی توقع کو سراب و خیال قرار دیا اپنی صفائی پیش کرنے سے انکار کیا اور طویل المیعاد سزائیں قبول کر لیں۔ انہیں جنگ کے خاتمہ پر رہائی نصیب ہوئی تحریک کشمیر میں صرف پنجاب سے چالیس ہزار افراد جیلوں میں گئے۔

(تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی۔ فاروق قریشی

اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

ان میں سے ہر ایک بے باک مجاہد باطل قوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہتا رہا ع

گئے وہ دن کہ ہمیں زندگی کی حسرت تھی　　　فضول قتل کی دیتا ہے دھمکیاں صیاد

(۱۰) تحریک قیام پاکستان

ابتداء میں حضرات علماء کرام کو ملک کے تقسیم کرنے میں تردد تھا کہ بغیر کسی دینی مقصد کے وسیع تر ملک کا تقسیم ہونا پسندیدہ امر نہیں ہے لیکن محترم قائد اعظمؒ کی طرف سے قرآن و سنت کے مطابق اور خلافت راشدہ کے طرز پہ حکومت قائم کرنے کے اعلان اور کوشش سے وہ مطمئن ہو گئے

ہم یہاں اختصاراً صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں

۱۔ جناب قائد اعظمؒ نے فرمایا۔

میں دیانت داری اور خلوص دل کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے اچھا سمجھتا ہوں میں مسلمان لیڈروں پر اعتماد کرنے کے لیے بھی بالکل تیار ہوں لیکن قرآن وحدیث

کے احکامات اور ہدایات کا کیا کیا جائے ؟

مسلمان رہنما انہیں مسترد نہیں کر سکتے تو کیا پھر ہمارا مستقبل تاریک ہے ؟ مجھے اُمید ہے کہ ویسا ہرگز نہیں اھ (خطبۂ صدارت قائد اعظم محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور، مارچ ۱۹۴۰ء)

ان واضح الفاظ میں قائد اعظمؒ نے مسلمانوں کے مستقبل کو قرآن و حدیث کے احکامات اور ہدایات سے وابستہ کیا ہے اور دیانت داری اور خلوص دل سے یہ فرما رہے ہیں لہٰذا جو لوگ اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قائد اعظمؒ پاکستان کو قرآن و حدیث اور نظام اسلام سے الگ رکھ کر ایک لادین اور سیکولر حکومت بنانا چاہتے تھے بالکل غلط ہے ۔

۲- بزرگ سیاستدان اور پرانے مسلم لیگی جناب سردار شوکت حیات خان صاحب کا بیان ہے سردار شوکت حیات نے کہا کہ قائد اعظمؒ مسلمان تھے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے تھے مولانا شبلی نعمانیؒ کی کتاب الفاروق کی دوسری جلد کا انگریزی ترجمہ انہوں نے شریف الدین پیرزادہ سے کرایا انہوں نے کہا تھا کہ وہ پاکستان میں حضرت فاروق اعظمؓ کا نظام عدل لانا چاہتے ہیں (بلفظہ)

(اخبار جنگ لاہور ص ۴ کالم ۲ ؛ ۲۱ اگست ۴ ذوالحجہ $\frac{۱۴۰۵}{۱۹۸۵}$ ھ)

محترم جناب قائد اعظمؒ کے ایسے واضح بیان اور نظریہ سے علماء کرام مطمئن ہو گئے اور پوری تندہی کے ساتھ پاکستان بنانے میں ساعی ہوئے کہ کیا بعید ہے کہ قرآن و حدیث اور خلافت راشدہ کا سنہری دور پھر عود کر آئے ۔ اور تمام باطل ازموں سے اُکتائی ہوئی دنیا اس کے سایۂ عاطفت میں سکون و عافیت پا سکے ۔

عجب کیا ہے کہ بیڑا غرق ہو کر پھر اُبھر آئے ۔ کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

مسلم لیگ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے حصول کی جدوجہد کا آغاز ہوا تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفاء و مریدین مسلم لیگ کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو گئے کیونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کا وہی پروگرام اور مقصد لے کر میدان میں آئی تھی جو کافی عرصہ پہلے سے حضرت تھانویؒ کے قلب و ذہن میں پرورش پا رہا تھا۔ جیسا کہ تعمیر پاکستان کے حالات میں لکھا ہے کہ

جون ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریاآبادی
تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ دل یوں
چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت ہو۔ سارے قوانین وغیرہ کا اجراء احکام شریعت
کے مطابق ہو۔ الخ (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ص۴۲ از منشی عبدالرحمن)

حضرت تھانویؒ کی قلبی آرزو اور دیرینہ خواہش کے مطابق جب مسلم لیگ میدان میں نکلی تو حضرت
تھانویؒ کے ارشاد پر، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا
شبیر علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت
مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت
مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق مانسہرویؒ اور دیگر
ہزاروں علماء حضرت تھانویؒ کی قیادت و سرپرستی میں مسلم لیگ کی حمایت کے لیے عملی جدوجہد
میں مصروفِ عمل ہو گئے۔ چنانچہ۔

۱۔ ۱۹۳۶ء کے سہارنپور کے الیکشن میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے امیدوار مولوی
منفعت علی ایڈوکیٹ کی حمایت کا فتویٰ دیا۔ (افادات اشرفیہ ص۶ از مفتی محمد شفیع)

۲۔ ۱۹۳۶ء میں ہی مولانا شوکت علی خان مرحوم ڈابھیل میں علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور مسلم لیگ کے لیے امداد کی درخواست کی۔ تو علامہ عثمانیؒ نے ایک ہزار روپیہ چندہ
جمع کر کے دیا۔ (تجلیات عثمانی ص۶۶۳ از پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی)

۳۔ ۱۹۳۷ء کے جھانسی کے الیکشن میں حضرت تھانویؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے مسلم لیگ
کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ اسی فتویٰ کے اثر سے مسلم لیگ کا امیدوار کامیاب ہوا۔ اور
اس کامیابی کا جشن تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں منایا گیا۔ جلسہ عام ہوا۔
جس میں تقریباً دس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ مولانا شوکت علی خان مرحوم نے
تقریر کی۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت تھانویؒ کی نمائندگی کی اور جلسہ میں حضرت
تھانویؒ کا یہ پیغام پڑھ کر سنایا کہ۔

میں دل سے آپ کے ساتھ ہوں۔ اور مسلم لیگ کے مقاصد حسنہ سے متفق اور اس کی

ترقی و بہبود کے لیے دعاگو ہوں ۔ (مولانا تھانوی اور تحریک آزادی ص۱۲۵ از پروفیسر احمد سعید)

۴ ۔ ۱۹۳۷ء میں ہی الہ آباد مسلم لیگ کے سیکرٹری جناب احسان الحق نے مولانا تھانوی سے دریافت کیا کہ مسلمانوں کے لیے مسلم لیگ میں شرکت مناسب ہے یا کانگریس میں فرمایا میری رائے میں مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے ۔ (الیضاً ص۹۶)

۵ ۔ ۱۹۳۷ء میں ہی حضرت تھانوی نے بارہ سوالات ممبر ٹیم کو کے ذریعہ مسلم لیگ کو روانہ کیے ۔ جن کے جوابات سید ذاکر علی صاحب جوائنٹ سیکرٹری مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ تھے جناب نواب محمد اسماعیل خان صاحب صدر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ اور جناب سید حسن ریاض صاحب اور دیگر اراکین کے مشورہ سے تحریر کیے جوابات موصول ہونے کے بعد حضرت تھانوی نے علی الاعلان مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا ۔ (افادات اشرفیہ ص۶۴)

چنانچہ اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر جناب حسن ریاض صاحب فرماتے ہیں کہ

مسلم لیگ کی تحریک کے آغاز ہی میں مولانا اشرف علی تھانوی نے صوبہ مسلم لیگ یوپی کے صدر کو جو نواب اسماعیل خان مرحوم تھے، ایک استفسار بھیجا ۔ جس میں غالباً گیارہ (بارہ) بشیر اسوالات تھے، یوپی مسلم لیگ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ۔ حضرت مولانا مرحوم کو بالکل اطمینان ہو گیا اس کے بعد انہوں نے اپنے دائرہ اثر کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مسلم لیگ میں شریک ہوں جس میں بہت سے صاحب نیز علماء بھی تھے ۔ (پاکستان ناگزیر تھا ص۲۷۵)

۶ ۔ ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانوی نے مولانا شبیر علی تھانوی سے فرمایا

میاں شبیر علی ! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جاویں گے ۔ (ان شاء اللہ) (تعمیر پاکستان ص۶۴)

۷ ۔ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ بمبئی کے اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت تھانوی نے حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں ایک وفد تشکیل دیا جو علماء

وقت پر علامہ عثمانی اپنی والدہ محترمہ کی شدید علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔
(تعمیر پاکستان ص۶۹ تجلیات عثمانی ص...)

۸۔ ستمبر ۱۹۳۸ء کو لکھنؤ میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ
میں نے جو اعلان کیا ہے اس میں مسلم لیگ کی حمایت کی ہے۔ اور میں مسلم لیگ کا حامی ہوں۔ (اسعد الابرار ص۱۲۰ از مولانا ابرار الحق حقی)

۹۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ پٹنہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا۔
(مشاہدات و واردات ص۱۱۸)

ممتاز مسلم لیگی راہنما اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبر جناب جمیل الدین احمد فرماتے ہیں کہ پٹنہ کے مسلم لیگ کے اجلاس میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک تحریری بیان مسلم لیگ کی تائید میں تقسیم ہوا تھا۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریک آزادی ص۱۳۵)

۱۰۔ قائد اعظم مرحوم نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ
میں یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوا ہوں کہ آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کے مقصد اور پروگرام سے پوری ہمدردی ہے۔ (مجالس حکیم الامتؒ ص۲۸۷ از مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

۱۱۔ ۱۹۳۸ء میں مولوی منفعت علی وکیل ممبر مسلم لیگ سہارنپور کے ایک خط کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک رسالہ "تنظیم المسلمین" کے نام سے طبع فرمایا۔ (افادات اشرفیہ ص۷)

۱۲۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت میں "الطریق الامم فی شرائط اتحاد الامم" کے نام سے رسالہ شائع فرمایا۔ (ایضاً ص۴۸)

۱۳۔ اپریل ۱۹۴۳ء کے مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں حضرت تھانویؒ کو شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی۔ مگر علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ اور اس اجلاس کے تقریباً تین ماہ بعد ۲۰ جولائی کو قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ (ایضاً ص۹۸)

۱۴۔ نومبر ۱۹۴۳ء کے مسلم لیگ کے اجلاس میں حضرت تھانویؒ کی وفات پر تعزیتی قرارداد

منظور کی گئی ہے جس میں حضرت تھانویؒ کی دینی و سیاسی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی وفات کو مسلمانانِ ہند اور بالخصوص مسلم لیگ کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا گیا۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریکِ آزادی ص ۱۵۹)

۱۵۔ نومبر ۱۹۴۵ء کے الیکشن سہارنپور میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ دیا۔ اور اسی فتویٰ کے اثر سے مسلم لیگ کے امیدوار نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم کامیاب ہوئے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے لیگ کی حمایت میں پورے علاقہ کا دورہ کیا۔ حالانکہ لیاقت علی خان مرحوم کے مقابلہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ایک رشتہ دار محمد احمد صاحب کاظمی کانگریس کے امیدوار تھے۔ مگر آپ نے رشتہ داری اور تعلقات کو پس پشت ڈالتے ہوئے لیگ کی حمایت کے لیے دورہ کیا۔ کامیابی حاصل کرنے کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مبارکباد کا تار بھیجا۔ (تعمیرِ پاکستان ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۲)

۱۶۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میرٹھ کے اجلاس کی صدارت حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کی۔ (تجلیاتِ عثمانی ص ۶۸۵)

۱۷۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ

اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

اس فتویٰ پر دیگر علماء کرام کے علاوہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بھی دستخط موجود ہیں۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریکِ آزادی ص ۲۰)

۱۸۔ مرکزی اور صوبائی انتخابات کے بعد مسلم لیگ کے لیے دشوار ترین مرحلہ صوبہ سرحد اور سلہٹ (بنگال) کے ریفرنڈم کا تھا۔ پیر صاحب مانکی شریف نے قائد اعظم مرحوم کو خط لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لیے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا دورہ کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کا دینی حیثیت سے بہت کچھ اثر قائم ہو چکا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر قائد اعظم مرحوم نے علامہ عثمانیؒ سے اس مہم کو سر کرنے کی درخواست کی اور علامہ عثمانیؒ نے پشاور، ایبٹ آباد،

مانسہرہ، کوہاٹ، بنوں، مردان اور قبائلی علاقوں کا کامیاب دورہ کیا۔ اسی دورہ کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں بے مثال کامیابی حاصل کی۔

اسی طرح سلہٹ کے ریفرنڈم میں قائد اعظم مرحوم نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو منتخب فرمایا اور مولانا عثمانیؒ نے سلہٹ کا کامیاب دورہ کر کے رائے عامہ کو مسلم لیگ کے لیے ہموار کیا اور بے مثال کامیابی حاصل کی۔

(تجلیات عثمانیؒ ص ۲۹۰ تا ۲۹۱)

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے دشوار ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں، سرحد کے ریفرنڈم میں پانچ سو سے زیادہ علماء و مشائخ کو جیلوں میں جانا پڑا۔ (خطبہ صدارت جمعیۃ علماء اسلام ڈھاکہ کانفرنس فروری ۱۹۴۹ء)

۱۹۔ ۹ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مشترکہ ہندوستان کی اسمبلی کے مسلم ممبران کا ایک اہم اجتماع ہوا جس میں علامہ عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کو بطور خاص مدعو کیا گیا

(تعمیر پاکستان ص ۱۴۹)

۲۰۔ قائد اعظم مرحوم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے ساتھ علماء بھی ہیں تو آپ نے فرمایا۔ مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے۔ جس کے علم و تقدس و تقویٰ کو اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام علماء کا علم و تقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہو گا۔ وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں۔ مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں۔

(ایضاً ص ۹۲ و کردار قائد اعظم ص ۱۷۶ از منشی عبدالرحمٰن)

۲۱۔ مولانا نصر اللہ خان عزیز لکھتے ہیں کہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کارفرما تھے۔ مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی۔ اگر وہ بھی ادھر نہ آتے تو عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ یہ تحریک مذہبی درجہ رکھتی ہے۔ اس مقصد کا اعتبار قائم کرنے کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

کی حمایت سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی۔ (تجلیات عثمانی ص ۶۹۷)

۲۲۔ ۱۹۴۷ء میں برصغیر کے دو وحید اولیاء اللہ کی پیش گوئیوں کی تکمیل ہوئی اور ملک آزاد ہوا۔ پہلے ولی اللہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ

دیوبند آزادی کی ایک چھاؤنی ہے۔ جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا۔ ہمارے جسم غلام سہی مگر ہماری روح کو آزاد رہنا چاہیئے اس طرح ہم اگلے ستاون سے پہلے غیر ملکی غلامی کا خاتمہ کر دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز

چنانچہ حضرت نانوتویؒ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور آئندہ ستاون سے دس سال قبل ہی ۱۹۴۷ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ملک غیر ملکی غلامی سے آزاد ہو گیا۔ سچ ہے۔ ع۔ ولی کے منہ سے جو نکلی تھی بات ہو کے رہی۔

دوسرے ولی اللہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں جنہوں نے ۱۹۳۸ء میں فرمایا تھا کہ ہوا کا رُخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت تھانویؒ کی یہ پیش گوئی بھی حرف بحرف درست ثابت ہوئی اور لیگ ۱۹۴۷ء میں ایک الگ مسلم مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اس کامیابی میں مسلم لیگ، حضرت تھانویؒ اور ان کے ہزاروں متعلقین اور لاکھوں متوسلین کی شب و روز کی کاوش و محنت کی مرہون منت ہے۔

حضرت تھانویؒ کے متعلقین کی اسی مخلصانہ جدوجہد کے زیر اثر قیام پاکستان کے بعد پاکستانی پرچم کی پرچم کشائی کے لیے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کراچی میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ڈھاکہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا انتخاب ہوا۔ ان دونوں بزرگوں نے قومی پرچم کی افتتاحی پرچم کشائی فرمائی۔ (تعمیر پاکستان ص ۱۶۰ و کردار قائد اعظم ص ....)

۲۳۔ علامہ عثمانیؒ متحدہ ہندوستان میں سلہٹ سے صوبائی الیکشن میں مرکزی ہندوستانی قانون ساز اسمبلی کے ممبر ہوئے تھے اسی حیثیت سے پاکستان کی مرکزی اسمبلی

کے بھی ممبر بنے۔ (تجلیات عثمانی ص۶۹۶)

۲۴۔ قائد اعظم مرحوم نے وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پڑھائیں چنانچہ وصیت کے مطابق جنازہ علامہ عثمانیؒ نے پڑھایا۔ (کردار قائد اعظم ص۴۷۹)

۲۵۔ حضرت تھانویؒ کی مسلم لیگ کے لیے خدمات، اور زعماء مسلم لیگ کے نزدیک حضرت تھانویؒ کی عزت و احترام کا اعتراف، بریلوی حضرات کرتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) بریلوی حضرات کے مقتدر عالم مولوی ابوالبرکات سید احمد قادری مسلم لیگ کے خلاف اپنے طویل فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ

مرتد تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ (الجوابات السنیہ ص۲۱)

(۲) بریلوی حضرات کے شیر بیشہ سنت مولوی حشمت علی قادری رقمطراز ہیں کہ

تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں اور تحریروں میں شیخ الاسلام تھانہ بھون کہا جاتا ہے۔ حکیم الامت لکھا جاتا ہے۔ لیگ کے اجلاس میں تھانوی کا پیغام خاص اہتمام و احترام سے لیا اور سنا جاتا ہے۔ تھانوی کے مرید مظہر الدین شیر کوٹی کہ جو دہلی میں قتل کیے گئے ان کو شہید ملت کا خطاب دیا جاتا ہے۔ لیگ کے جلسہ میں حضرت مولانا اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں (احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ ص۲۱)

(۳) بریلوی حضرات کے ایک اور روحانی پیشوا مولوی اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (یاد رہے کہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت خانصاحب بریلوی کا پیر خانہ مارہرہ شریف ہے۔ فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں ص۴۲ از پروفیسر مسعود احمد۔ نیز لکھا ہے کہ خان صاحب بریلوی شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت تھے۔ اور اپنے پیر خانہ کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا تشریف لاتے۔ ماہنامہ ضیاء حرم اعلیٰحضرت بریلوی نمبر جنوری ۱۹۸۳ء ص۱۴) لکھتے ہیں کہ

اور جب لیگی فخر سے کہتے ہیں کہ کیا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لیگ کے حامی نہیں ہیں۔ اور تو اور اکثر علماء دیوبند لیگ میں موجود ہیں۔ اور جب لیگی جلسہ میں

حضرت مولانا اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ اور جب لیگ
کی خاص کمیٹی میں تھانوی کو عملاً باتمیاز خصوصی دعوت نامہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں بذریعہ
نمائندہ شریک ہو۔ (مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص ۶)

بریلوی حضرات کے لیے اگر دیگر شہادتیں قابلِ قبول نہ ہوں تو کم از کم اپنے اعلیٰ حضرت کے پیر خانہ
کی یہ شہادتیں تو انہیں تسلیم کر لینی چاہییں کہ

حضرت تھانویؒ کو زعمار لیگ کے ہاں انتہائی عزت و احترام حاصل تھا اور اکثر علمار
دیوبند لیگ میں موجود تھے۔

اور جہاں تک مسلم لیگ کے ساتھ بریلوی حضرات کے سلوک کا تعلق ہے تو اس کی مختصر داستان
اوراقِ گذشتہ میں گذر چکی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ تمام محاذوں پر واضح کامیابی حاصل کر
چکی تو اس ابن الوقت ٹولہ نے آنے والے حالات میں اپنی بے لبسی و بے کسی کو چھپانے کے لیے
بنارس سنی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا۔ اور یہ ڈھونگ رچانے کے بنیادی سبب یہ دو تھے۔

اوّل جمعیۃ علمار اسلام کا قیام

مسلم لیگ کی حمایت کرنے والے علمار دیوبند نے تحریکِ پاکستان میں علمار کی اجتماعی جدوجہد کے
لیے علمار کی ایک مستقل تنظیم کو ناگزیر سمجھا، تاکہ علمار کی انفرادی جدوجہد کو اجتماعی جدوجہد میں تبدیل کر کے
قیامِ پاکستان کے لیے لڑے جانے والے آخری معرکہ (مرکزی و صوبائی انتخابات) میں منظم طور پر
اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو پورا کیا جا سکے، چنانچہ اس ضرورت کے تحت۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیۃ علمار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد
عثمانیؒ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ (تجلیاتِ عثمانی ص ۶۶۶)

جمعیۃ علمار اسلام کے قیام کے بعد علمار کی اجتماعی جدوجہد نے مسلم لیگ کو بہت سی ذمہ داریوں سے
سبکدوش کر دیا۔ اس سلسلہ میں جمعیۃ علمار اسلام کے تحت ہندوستان کے مختلف حصوں میں متعدد
کانفرنسوں کا انعقاد ہوا۔ جس میں ایک کانفرنس جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کی گراؤنڈ میں منعقد
ہوئی جس میں علامہ عثمانیؒ نے اپنا تاریخی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ جو "ہمارا پاکستان" کے عنوان
سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ (تجلیاتِ عثمانی ص ۶۸۷) ان کانفرنسوں نے ملک بھر میں ایک تہلکہ

بچا دیا۔ ایک طرف تو ان کا تقریر ہو لینے کا اثر تھا کہ کانگریس پریشان تھی اور دوسری طرف بریلوی حضرات کو علماء دیوبند کا بڑھتا ہوا سیاسی و مذہبی وقار کھٹکنے لگا۔ چنانچہ علماء دیوبند کے اس سیاسی و مذہبی وقار کو ختم کرنے کی خاطر ہی بنارس سنی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا گیا۔ دراصل اگر بریلوی علماء اگر تحریک پاکستان کے معاملہ میں مخلص ہوتے تو انہیں بنارس کا یہ اجتماع (جو اپریل ۱۹۴۶ء میں ہوا) منعقد کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلکہ وہ علماء کے مستقل پلیٹ فارم جمعیۃ علماء اسلام میں شامل ہو کر (جو بنارس کانفرنس سے تقریباً چھ ماہ قبل معرض وجود میں آچکی تھی) کام کرتے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان کا مقصد قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہونا نہیں بلکہ اپنے اعلیٰ حضرت کی تحریک تکفیر کی تکمیل کے لیے علماء دیوبند کی خدمات کو ختم کرنے کے لیے اپنے آپ کو نمایاں کرنا تھا۔

ہر ہر قدم پہ لٹتا رہا کاروانِ زیست   ہر راہنما پکارا کہ میں راہزن نہیں

دوم مسلم لیگ کی واضح کامیابی

بنارس سنی کانفرنس کا ڈھونگ رچانے کی دوسری بنیادی وجہ مرکزی اور صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کی واضح کامیابی تھی۔ کیونکہ اس کامیابی کے پس پردہ برصغیر کے ان سیاسی یتیموں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے مسلم لیگ کی حمایت کا فیصلہ کر لیا۔ جیسا کہ بریلوی حضرات کے مفتی اعظم مولوی ابرار حسین (بریلی) نے ان حالات میں فرمایا کہ

اس وقت مسلمانوں کی عقلمندی کا مقتضیٰ یہی ہے کہ مسلم لیگ کی امداد و اعانت کریں۔

(بحوالہ بریلویوں کا کردار ص ۲۶ از انوار احمد ایم اے) گویا اب اپنا قصور سمجھ آگیا ہے؟

اپنا ہی تھا قصور کہ طوفاں میں گھر گئے
اک موج تھی کہ جس کو کنارہ سمجھ لیا

تحریک پاکستان کی اس کھلی ہوئی مخالفت، لیگ اور زعماء لیگ پر کفر کے فتووں اور پاکستان کو کفری سلطنت قرار دینے کی ناقابل تردید جسارتوں کے باوجود اپنے آپ کو تحریک پاکستان کا ہیرو قرار دینا اور اس کے لیے قربانی دینے والوں کو نظر انداز کر دینا کس قدر ظلم عظیم ہے؟

ہمیں سے اے باغباں کیوں باغ کا مالک نہیں کہتا   سروں کو بیچ کر قیمت ادا کی ہے گلستاں کی

(تلک عشرة کاملة)

ان مذکورہ (تمام تحریکات میں ان پیشہ ور پیروں اور مفاد پرست مولویوں کا کوئی مثبت کردار نہیں ہے، جہاں بھی ہے منفی کردار ہے۔ لیکن افسوس کہ آج اپنے تمام تر منفی کردار پر مثبت کردار کا خوشنما لیبل چپاں کر کے قوم کو دھوکا دینے کی سعی کی جارہی ہے۔ کہ ہندوستان کی آزادی کا سہرا بریلویوں کے سر پر ہے، اور پاکستان کا حصول خانصاحب بریلوی اور ان کے اتباع کی سعی کا نتیجہ ہے۔ اور علماء دیوبند کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ جبکہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک ایک ورق ان کے حق میں گواہ ہے۔ ؎

لوحِ جبیں پہ ثبت ہے رودادِ زندگی ہر چند بے زباں ہیں مگر بے زباں نہیں

تنبیہ:۔ لاہور کے ایک بریلوی مولوی صاحب۔ (غالباً مولوی سید دیدار علی شاہ ہیں) نے حضرت مدنیؒ اور علامہ عثمانیؒ کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ

میاں یہ دونوں دیوبندی ایک ہی ہیں۔ ایک نے مسلم لیگ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور دوسرے نے کانگریس کی۔ گویا ملک کی تمام سیاست پر یہ دونوں چھا گئے ہیں۔ (بحوالہ تجلیات عثمانی ص۱۷۳)

دیکھیے سچ کہنے پر کس طرح مجبور ہوئے ہیں ؎

ابھی سے شکریہ انکی مروت کا ادا کر دوں سنا ہے موت پر بھی وہ شریکِ غم نہیں ہونگے

اِن ناقابلِ تردید تاریخی حقائق کے باوجود اِن پاکبازانِ امت (اکابرین علماء دیوبند) کو انگریز کا ایجنٹ قرار دینا نہ صرف تاریخ پہ زیادتی ہے بلکہ انصاف و دیانت پر بھی ایک صریح ظلم ہے۔ ؎

چھپائیں گے کہاں تک رازِ محفل شمع کے آنسو
کہے گی خاکِ پروانہ کہ پروانہ پہ کیا گذری

کشیفہ:۔ یہ حقیقت بھی قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ تمام اکابر علماء دیوبند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اس فتویٰ کی تائید کرتے ہیں کہ

ہندوستان دارالحرب ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج۱ ص۱۷ طبع مجتبائی دہلی)

اور اسی فتویٰ کی بنیاد پر علماء دیوبند نے جہاد آزادی میں حصہ لیا۔ لیکن اس کے برعکس بریلوی

حضرات کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ہندوستان بفضلہ تعالیٰ دار الاسلام ہے۔ (احکام شریعت ص۲۸ حصہ دوم)

اس کے علاوہ ایک مستقل رسالہ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" کے نام سے اس موضوع پر شائع کیا جس میں انگریزی اقتدار کے ظلم و استبداد سے بھرپور ہندوستان کو دار الاسلام قرار دینے کے لیے (بزعم خود) قرآن و سنّت سے بالکل غیر متعلق دلائل کشید کیے۔

ہندوستان کو دار الاسلام قرار دینے ہی کی وجہ سے خانصاحب بریلوی کو یہ فتویٰ بھی دینا پڑا کہ مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد و قتال نہیں۔ (دوام العیش ص۴۱ بحوالہ بریلویوں کا کردار)

اور ظاہر ہے کہ جب ہندوستان ہے ہی دار الاسلام تو اس کے باشندوں (مسلمانوں) کے لیے جہاد و قتال کا حکم کیونکر ہوگا؟ یہ خان صاحب بریلوی کی حقیقت پسندی ہے کیونکہ انہیں تو معلوم تھا کہ دار الاسلام میں جہاد و قتال کا حکم ناممکن ہے اس لیے انہوں نے صاف صاف الفاظ میں بیان فرما دیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں۔

لیکن تعجب ہے کہ آج خانصاحب کی حشرات الارض کی طرح پھیلی ہوئی مشینری خانصاحب کے ان صریح فرمودات کے خلاف برصغیر کی تاریخ بدلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اور ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والوں کو انگریز کا ایجنٹ بتا کر اور ہندوستان کو بفضلہ تعالیٰ دار الاسلام قرار دے کر عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے والوں کو انگریز کا سب سے بڑا دشمن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔

نیرنگیٔ سیاست دوراں تو دیکھئے　　منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ہمارا سوال خانصاحب کے متبعین سے یہ ہے کہ

کیا آپ کا یہ دعویٰ (کہ جنگ آزادی بریلویوں نے لڑی ہے) آپ کے اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تعلیمات کے خلاف نہیں؟ اور اگر خلاف ہے اور یقیناً خلاف ہے تو کیا آپ کے لیے اپنے اعلحضرت کی صرف میٹھی میٹھی (قُل۔ تیجہ، عرس وغیرہ کی جن میں پیٹ کا دھندا چلتا ہے) تعلیمات پر عمل کافی ہے؟ اور باقی تعلیمات جن کی موجودگی میں آپ حقائق کا سامنا کرنے کی جسارت و جرأت نہ کر سکیں انکو

نظر انداز کرنا ضروری ہے ؟

اور اگر بالفرض ایک لمحہ کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بریلویوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے تو پہلے تو تاریخی ثبوت کے ساتھ اپنے ان مجاہدین کے باحوالہ نام بتائیں اور پھر کیا فرماتے ہیں علمار بریلویہ دارالاسلام کے خلاف جہاد کرنے والوں کے بارے میں؟ بینوا توجروا ہے

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکا دیا مجھکو
کہ میں نے ذوق گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھدی

واقعہ جلیانوالہ باغ

۱۹۱۹ء میں جب پورے ہندوستان میں بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی۔ تحریک آزادی کے شعلوں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دیگر اضلاع کی طرح امرتسر میں بھی آزادی کی شورش برپا ہو گئی تو گورنمنٹ برطانیہ نے اس بغاوت کو دبانے کے لیے امرتسر میں جنرل اڈوائر کی ڈیوٹی لگائی، جو ۱۲ اپریل کو امرتسر پہنچا۔ اور پہنچتے ہی جلسوں اور جلوسوں پہ پابندی عائد کر دی۔ ۱۳ اپریل کو حریت پسندوں نے جلیانوالہ باغ میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا (یہ جلسہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی گرفتاری کے بعد ان کی فرضی کرسی صدارت میں منعقد ہوا) عین اس وقت جب کہ جلسہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ اور جلسہ میں پندرہ ۱۵ ہزار سے زائد لوگ موجود تھے۔ جنرل اڈوائر نے جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر (بغیر وارننگ دیے) فائرنگ کا حکم دیدیا، اور لوگوں کے بھاگنے اور نکلنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ جو کئی گھنٹے تک مسلسل جاری رہی سرکاری اعلان کے مطابق یہ فائرنگ اس وقت تک ہوتی رہی جب تک فوج کے پاس سے گولیاں اور کارتوس ختم نہیں ہو گئے۔ سینکڑوں انسان حصول آزادی کے جرم میں موقع پر قتل کر دیے گئے۔ ہزاروں زخمی ہوئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اگلے دن تک زخمی اور لاشیں اٹھانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ مسٹر ایڈورڈ ٹامس اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارے دشمنوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولین کی تعداد بھی بڑھا چڑھا کر پیش کی ہے، چنانچہ وہ اصرار کے ساتھ کئی ہزار کی تعداد بتلاتے ہیں۔ اگرچہ مجھے اُن کی صحیح تعداد یاد نہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ چند منٹوں میں پندرہ ۱۵ سو انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ (انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۱۲۰)

جنرل اڈوائر اس انسانی قتل پر نادم ہونے کی بجائے لکھتا ہے کہ

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ فائروں کی قلیل ترین مقدار تھی جس سے وہ دور رس اخلاقی اثر پیدا ہوتا جس کا پیدا کرنا میرا اخلاقی فرض تھا۔ اگر زیادہ فوج اس وقت مہیا ہوتی تو نسبتاً نقصان جان بھی زیادہ ہوتا (علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۱۷۹)

حتیٰ کہ انگلینڈ میں بھی انگریزوں کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک گروہ نے اس کارروائی کو جون آف آرک کو زندہ جلانے کے بعد دوسرا لرزہ خیز اور سفاکانہ اقدام اور عمل قرار دیا۔

قاتل انسانیت جنرل اڈوائر کو بریلوی پیروں اور مولویوں کا سپاسنامہ

اس قاتل انسانیت، سفاک اور درندہ صفت انسان جنرل اڈوائر کو پیشہ ور، مفاد پرست اور ناعاقبت اندیش بریلوی پیروں اور مولویوں نے جو سپاسنامہ پیش کیا اس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ سپاسنامہ کافی طویل ہے۔ صرف ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے اور بریلوی حضرات کی (بزعم خود) انگریز دشمنی کی داد دیجئے۔

حضور انور (یعنی جنرل اڈوائر) جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دلجوئی، ذرہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ ہم خاکساران باوفا کے اظہار دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کلاہ فخر کو چار چاند لگا دیں گے ......

جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں جس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی رہے ہیں تو پھر ہر طرف احسان ہی احسان دکھائی دے رہا ہے

؎ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

(بحوالہ بریلوی فتوے ص ۱۳۹)

غالباً علامہ اقبال مرحوم نے انہی پیروں اور مولویوں کے لیے کہا ہے کہ ؎

ملاں کو جو ہے ہند میں سجدہ کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ملتان کے لنگا باغ (جواب ابن قاسم باغ کے نام سے موسوم ہے) کے تاریخی اجتماع میں اس سپاسنامہ کو خوب لتاڑا۔ آپ

نے فرمایا۔

اے پیران طریقت یہ سپاسنامہ فرنگی کے حضور پیش کر کے آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی تعلیم۔ ان کے اصول اور ان کی روحانی زندگی پہ وہ کالک مل دی ہے کہ قیامت تک وہ داغ نہیں دھویا جاسکتا۔ اور نہ یہ سیاہی مٹ سکتی ہے۔ اگر میں ابن سعود کی حمایت کروں تو کافر اور تم ترکوں کے قتل پہ دستخط کرو تو مومن! تم فتح بغداد پر چراغاں کرو تو مسلمان اور میں فرنگی سے آزادی کے لیے لڑوں تو مجرم! تمہارے تعویذ اور تمہاری دعائیں کافر انگریز کی فتح کی آرزومند رہیں۔ اور میں سلطنت برطانیہ کی بنیاد اکھاڑنے پر رہا۔ تم نے انسانوں سے زیادہ کتوں اور سوروں کی قدر کی۔ اور گناہ کو ثواب کا درجہ دیا۔ تمہاری قبائیں خون مسلم سے داغدار ہیں۔ اے دم بریدہ سگان برطانیہ! صور اسرافیل کا انتظار کرو۔ کہ تمہاری فرد جرم تمہارے سامنے لائی جائے اور تم اپنے نامۂ اعمال کو ندامت کے آئینے میں دیکھ سکو۔ تمہاری تسبیح کا ایک ایک دانہ تمہارے فریب کا آئینہ دار ہے تمہاری دستار کے پیچ وخم میں ہزاروں پاپ جنم لیتے ہیں۔ اور تم انہیں دیکھتے ہو مگر تمہاری زبانیں گنگ ہیں کہ ان کی موت پہ آنسو تک نہیں بہتے۔ وقت کا انتظار کرو کہ شاید تمہاری پیشانیوں کے محراب کی سیاہی تمہارے چہروں کو مسخ کردے۔ اور تمہارا زہد و تقویٰ ہی تمہاری رسوائی کا باعث بن جائے۔

(بحوالہ حیات امیر شریعتؒ ص۹۵ از جانباز مرزا)

شاید انہیں جیسے پیروں اور مولویوں کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

خدمت میں جو دار د ہو کوئی صاحب دولت — تعظیم کو اٹھتا ہے عمامہ بھی عبا بھی
تعظیم کا کیا ذکر ہے پہلو بھی نہ بدلیں — آجائے اگر صورت مفلس میں خدا بھی

مسخ حقیقت :-

تاریخ سے ادنیٰ مس رکھنے والے بھی یہ جانتے ہیں کہ فریق مخالف کے اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کی جماعت کے ذمہ ان حضرات کا ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرنے کرانے میں قطعاً کوئی کردار نہیں بلکہ جو جماعتیں انگریز کے خلاف تھیں (مثلاً کانگریس، مسلم لیگ،

جمعیتہ علماء ہند، خلافت کمیٹی، مجلس احرار اسلام وغیرہا) تو ان کے فتووں کی بھرمار صرف ان ہی کے خلاف تھی۔ جیسا کہ قارئین کرام چند حوالے پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم یہاں بریلوی علماء کے ذمہ دار حضرات سے انگریز کے خلاف جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ان کے فاضل بن الفاضل حضرت مولانا ابوالبرکات آل الرحمن مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب اپنی کتاب "طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد" (جس کی سن طباعت ۱۳۴۱ھ ہے جب کہ ہندوستان پر انگریز کی گرفت خوب مضبوط تھی) میں بزعم خویش انگریز کے خلاف ترکِ جہاد کے لیے پانچ اختراعی شرطیں اور مقدمات پیش کرتے ہیں۔ اور پھر لکھتے ہیں۔

ایسی حالت میں (جب کہ انگریز کے دور میں مسلمانوں میں یہ شرطیں مفقود ہیں۔ بشیر) جہاد جہاد کی رٹ لگانا غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسانا اور ان سے یہ طعن اٹھانا ہے ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اور جب کہ وہ (جہاد) ان شنائع قبائح پر مشتمل ہے حرام حرام حرام ہے۔ وہ ہرگز حکم شرع نہیں۔ شریعت پر افترا و زیادت ہے جو آج اسے حکم الٰہی و امر حضرت رسالت پناہی ٹھہرا رہے ہیں مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔ وہ اللہ و رسول پر افترا کرتے ہیں۔ بہتان باندھتے ہیں الخ بلفظہ

طرق الہدیٰ والارشاد (الی) احکام الامارۃ والجہاد ص۳۱ طبع بریلی)

اس کتاب پر ان کے تیرہ ۱۳ جید علماء کی تصدیقات ہیں۔ جن میں ابوالعلا محمد امجد علی اعظمی، احمد الرحمن حسنین رضا قادری، محمد حشمت علی بریلوی، عبید الرضا محمد حشمت علی قادری لکھنوی، عبید الرضا محمد طاہر رضوی، ابوسراج عبدالحق رضوی، عمر نعیمی، اولاد رسول محمد میاں قادری مارہری، محمد اسماعیل تلہری، محمد نعیم الدین، محمد عبدالسلام صدیقی رضوی جبلپوری اور عبدالباقی محمد برہان الحق قادری رضوی جبلپوری شامل ہیں۔

سخت حیرت ہے کہ بریلوی حضرات انگریز کے خلاف جہاد کرنے والوں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والوں اور تختہ دار پر لٹکا دیے جانے والوں کو تو انگریز کا ہمدرد، خیر خواہ نمک خوار اور ٹکڑ خور ثابت کرنے کے درپے ہے، مگر انگریز کے خلاف جہاد کو حرام حرام حرام کہنے والوں کو تحریکِ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اس سے بڑھ کر

مسخ حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر ؎

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

وصلی اللہ تعالیٰ وسلّم علیٰ خیر الانبیاء وخاتم المرسلین
وعلیٰ آلہٖ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین آمین یارب العلمین

ازقلم خاکپائے اکابر

حافظ عبدالحق خان بشیر گھکھڑوی